ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۵۱
جلد: ۳۱ ، شمارہ: ۳

جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ = مارچ ۲۰۱۳ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-منصب رسالت کی عظمت......	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ	۷
۵-دین رحمت اور رسول رحمت..	مولانا ابوالکلام آزادؒ	۱۱
۶-سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت	مولانا سید سلیمان ندویؒ	۱۷
۷-خاتمۂ نبوت	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ	۲۴
۸-اسلامی معاشرہ اور سماجی......	پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی	۳۲
۹-عہد و میثاق کی پاسداری......	محمد اسلم مبارک پوری	۳۹
۱۰-ضیائے سنت نبوی (نظم)	فائق بندوی	۴۵
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۶
۱۲-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(تدوین حدیث چوتھی صدی ہجری میں)

(۱۵) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

تدوین حدیث کا سلسلہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ہمہ گیر ہوتا گیا اور اس میں دقّت کے ساتھ توسع بھی ہوتا رہا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے اختتام تک جو روایتیں بالمشافہہ ہوا کرتی تھیں اور محدثین کرام ایک دوسرے سے حدیث جاننے کے لیے کتابوں پر اکتفانہ کرتے ہوئے مہینوں کا سفر کیا کرتے تھے چوتھی صدی ہجری کے بعد سے اب اس کی اتنی ضرورت نہ رہی کیونکہ حدیثیں مختلف طرق اور طریقہ سے مدون ہوچکی تھیں، اب ان کو ایک جگہ جمع کرنا اور ان کی تنقیح کا کام تھا۔ اس لیے اس دور میں کچھ ایسے فنون کی ایجاد ہوئی اور محدثین کرام نے حدیث کے ساتھ وہ اہتمام کیا جو اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔

جن محدثین کرام نے اس دور میں کام کیا ان میں مشہور درج ذیل ہیں:

ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)
ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید الاسفرائینی (۳۱۶ھ)
ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی (۳۲۱ھ)
ابوحامد احمد بن محمد الحسن النیسابوری المعروف بابن الشرقی (۳۲۵ھ)
ابومحمد احمد بن محمد بن ابراہیم الطّوسی البلاذری (۳۳۹ھ)
ابوالحسین خیثمہ بن سلیمان (۳۴۳ھ)
ابوعبید محمد بن یعقوب البستانی المعروف بابن الاخرم (۳۴۴ھ)
ابوبکر احمد بن سلیمان النجاد۔ (۳۴۸ھ)
ابوسعید احمد بن ابی بکر الحیری (۳۵۳ھ)
ابوحامد احمد بن محمد بن شارک الھروی (۳۵۵ھ)
ابوبکر محمد بن الحسین الآجری (۳۶۰ھ)
ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل الاسماعیلی (۳۷۱ھ)
ابوعبداللہ محمد بن عباس بن احمد المعروف بابن ابی ذھل الضبی (۳۷۸ھ)

ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (۳۱۱ھ)
ابوالقاسم عبداللہ بن محمد البغوی (۳۱۷ھ)
ابوعمران موسی بن عباس بن محمد الجوینی (۳۲۳ھ)
محمد بن عبدالملک بن أیمن القرطبی (۳۳۰ھ)
ابومحمد قاسم بن اصبغ البیانی الاندلسی (۳۴۰ھ)
ابوالنصر محمد بن یوسف الطّوسی (۳۴۴ھ)
ابوالولید حسان بن محمد بن احمد بن ہارون القزوینی (۳۴۴ھ)
ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید ابن السکن (۳۵۳ھ)
ابوحاتم محمد بن حبان البستی (۳۵۴ھ)
ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰)
ابوعلی الحسین بن محمد الماسرجسی (۳۶۵ھ)
ابواحمد بن ابی حامد بن الغطریف الجرجانی (۳۷۷ھ)
ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مھدی الدارقطنی (۳۸۵ھ)

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

درس حدیث

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قِیْلَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ أُدْعُ اللّٰهَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ: إِنِّیْ لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَلٰکِنِّیْ بُعِثْتُ رَحْمَةً۔ (صحیح مسلم ح:۲۰۰۷)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اللہ سے مشرکین کے لیے بددعا فرمادیں، آپ نے فرمایا میں لعنت وبددعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

محسن انسانیت، رسول رحمت ﷺ اگر چہ اخلاق حمیدہ کے پیکر اور گوناگوں خصائص وشمائل کے حامل تھے مگر آپ کا جو وصف سب سے زیادہ نمایاں تھا بلکہ جو آپ کی حیات طیبہ کا عنوان قرار پایا اور جس سے آپ کی پوری سیرت تعبیر تھی وہ قرآن کریم کی یہی آیت کریمہ ہے جو اس درس کا عنوان ہے۔

رب رحمان ورحیم نے اپنی کتاب ''ہدایت ورحمت'' کو جس قلب اطہر پر نازل فرمایا اور دین رحمت کے لیے جس ذات کو پیغمبر منتخب کیا وہ بھی پیکر رحمت اور رووف رحیم کے عظیم الشان وصف سے متصف ہے تاکہ ساری کائنات رحمتوں کے اس سلسلہ سے فیض یاب ہو اور رب کے بندے اس کی بے کراں رحمتوں سے اس کی کتاب رحمت، دین رحمت اور رسول رحمت کے ذریعہ شادکام ہوتے رہیں۔

پوری انسانی تاریخ میں آپ سے زیادہ شفیق، مہربان اور رحم دل انسان نہیں گذرا جو اپنوں کے لیے بھی رحم دل تھا اور غیروں کے لیے بھی، جو نہ صرف انسانوں کی تکلیف اور ان کے کرب کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا تھا بلکہ جانوروں کا کرب بھی اسے بے چین کر دیتا تھا۔ بوڑھے، بچے اور عورتیں سب اس کی خصوصی رحمت وعنایت سے فیض یاب ہوئے، جاندار تو جاندار غیر جاندار کا کرب بھی اس سے دیکھا نہ گیا اور اس کی بھی دلجوئی فرمادی۔ سچ فرمایا خلاّقِ عالم نے ﴿وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين﴾۔

مذکورہ بالا حدیث میں رسول رحمت نے اپنی بعثت کا مقصد ہی رحمت قرار دیا اور یقیناً آپ کی بعثت پورے عالم کے لیے رحمت ثابت ہوئی اور خصوصا عالم انسانیت کے لیے جو شرک وبت پرستی اور ظلم وزیادتی کی شکار تھی کہ آپ کی بعثت کے بعد کس طرح پورا عالم گہوارۂ امن وشانتی بن گیا اور عدل وانصاف کا بول بالا ہو گیا۔

ظلم وجور سے سسکتا عالم اگر پیکر رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ کو نمونہ عمل بنالے اور آپ کے رحم وکرم کے زندہ جاوید نقوش سے عبرت ونصیحت حاصل کرلے تو موجودہ دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے، خوف کے بجائے امن اور ظلم کے بجائے انصاف کا بول بالا ہو۔

امت محمدیہ کے افراد کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہادی ورہبر ﷺ کی سیرت طیبہ کے اس تابناک پہلو کی ضوفشانی سے عالم کو منور کردیں صرف زبان وقلم سے نہیں بلکہ اس کے پرتو سے اپنے عمل کی دنیا کو روشن کریں تاکہ یہی روشنی دنیا کو روشن کرے۔

مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہوں اکثریت میں، اقلیت میں وہ وہاں امن وشانتی اور رحمت ومحبت کی علامت بن جائیں اور اپنے کردار وعمل سے یہ ثابت کردیں کہ وہ اس نبی کے امتی ہیں جو سراپا رحمت تھا اور سارے جہاں کے لیے رحمت تھا، موجودہ حالات میں نبی سے سچی محبت کا یہی تقاضا ہے اور موجودہ دنیا ہمارے اسی کردار کی محتاج اور اس کی منتظر ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ:

نبیوں اور رسولوں سے متعلق اسلام اور مسلمانوں کی شاہراہ اعتدال

تمام انبیاء ورسل آدم وحوا کی نسل سے انسان تھے، وہ کھاتے پیتے، سوتے، بیمار ہوتے، زندہ رہنے کے بعد وفات پاتے رہے ہیں، لیکن انسانوں اور تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ صاحب کمال اور افضل تھے، تمام انبیاء ورسل پر ایمان لانا فرض ہے، کسی ایک کا انکار دین اسلام سے جواللہ کا کامل اور آخری دین ہے۔ خارج ہوجانے کا سبب ہے، سابقہ زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں نبی ورسول بھیجے ہیں تا کہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں: ارشاد فرمایا: ﴿ولقد بعثنا فی کل امة رسولا، أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾ [النحل: ٣٦] اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کی بندگی سے دور رہو۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إنا أوحينا إليك كما أوحينا إلى نوح والنبيين من بعده وأوحينا إلى إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ويعقوب والأسباط وعيسىٰ وأيوب ويونس وهارون وسليمان وآتينا داؤد زبورا، ورسلا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك، وكلم الله موسىٰ تكليما، رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل، وكان الله عزيزا حكيما﴾ [النساء: ١٦٣–١٦٥] یقیناً ہم نے آپ کی طرف (اے نبی محمد) وحی کی ہے جیسا کہ نوح اور ان کے بعد دوسرے انبیاء کی طرف وحی کی تھی، اور ہم نے ابرہیم، اسمعیل، اسحٰق اور ان کی اولاد اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کو وحی کی تھی اور داؤد کو زبور عطا کی تھی، تم سے پہلے کے کچھ رسولوں کے حالات ہم نے تم کو بتائے اور بہت سے رسولوں کے حالات تمہیں نہیں بتائے، اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، یہ رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے، تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔ اللہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔

تمام انبیاء ورسل کے زمانے گذر چکے ہیں، سلسلہ نبوت کی آخری کڑی نبی عربی حضرت محمد مصطفیٰ ہیں، اور آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لیے سارے انسانوں پر آپ ﷺ کی اطاعت فرض ہے اور یہی اللہ کے یہاں ذریعہ نجات ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا﴾ [الفرقان:١] اللہ کی ذات بڑی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی تا کہ وہ سارے جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو، ایک مقام پر فرمایا: ﴿ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين﴾ [الأحزاب: ٤٠] محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے (سلسلہ کو) ختم کرنے والے ہیں۔ تورات اور انجیل میں نبی آخر الزماں حضرت محمد واحمد ﷺ کی بشارت موجود ہے۔ ارشاد قرآنی ہے: ﴿و إذ قال عيسىٰ ابن مريم يٰبنی اسرائيل إنی رسول الله إليكم مصدقا لما بين يدی من التوراة و مبشرا برسول يأتی من بعدی

اسمه أحمد﴾ [الصف:٦] اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور تمہیں ایک رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ امت محمد یہ تمام انبیاء ورسل پر ایمان رکھنا فرض سمجھتی ہے، انھیں اللہ کے چنے ہوئے سب مخلوق سے افضل نبی ورسول مانتی ہے، انھیں بشر مانتی اور بشری عوارض سے متصف گردانتی ہے اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاکر آپ ﷺ سے محبت کرتی، آپ ﷺ کے دین وشریعت پر عمل کرتے ہوئے اس کی تقویت کے لیے جدوجہد کرتی اور آپ ﷺ کی تنقیص وعیب جوئی کو ناقض ایمان سمجھتی ہے، اور ایسا غلو بھی نہیں کرتی جو آپ ﷺ کے منصب عبدیت ورسالت کے خلاف ہو، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھتی ہے لیکن آپ کی عبادت کو حرام سمجھتی ہے، اس لیے کہ آپ رسول اللہ ہونے کے ساتھ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کی عبادت اور بندگی کی دعوت ہی آپ کی رسالت وشریعت کی روح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ آپ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا: ﴿قل لا أملك لنفسي نفعا ولا ضرا إلا ما شاء الله، ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير وما مسني السوء، إن انا إلا نذير وبشير لقوم يومنون﴾ [الاعراف: ١٨٨] (اے نبی محمد) آپ کہئے میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، سوا اس کے جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو بہت سی بھلائیاں اکٹھا کرلیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہونچتی، میں تو بس ایمان لانے والوں کو ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں، اس بنیاد پر مصیبت وپریشانی کے ازالہ کے لیے اللہ ہی سے فریاد، طلب مدد اور دعا کرنی چاہئے، خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى بن مريم، فإنما أنا عبد الله، فقولوا عبد الله ورسوله'' مجھے حد اعتدال سے آگے نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، لہذا اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو، انتقال سے چند دن قبل آپ ﷺ نے فرمایا: یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ (بخاری) اور یہ بھی فرمایا: تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ (موطا مالک) خاتم النبیین سے امت محمد یہ کی محبت اور ان کی اطاعت جسے دیکھنا ہو وہ اصحاب رسول، صحابہ کے شاگردوں تابعین اور تبع تابعین اور محدثین کرام کی سیرتیں اور ان کی جمع کی ہوئی احادیث وآثار وسیر کی کتابیں دیکھے۔ اس سے اس کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا، اور عام مسلمان ہر زمانہ میں اور آج بھی رسول خاتم سے کس درجہ محبت رکھتے ہیں وہ سارے عالم پر عیاں ہے۔

اس کے برخلاف یہود نے اپنے ہی انبیاء کی تنقیص کی ہے، بعض پر ایمان لائے اور بعض سے کفر کیا ہے، بعض کو مے نوش اور مرتکب فواحش ومنکرات کہا ہے۔ حتی کہ کچھ انبیاء کو قتل بھی کرڈالا ہے جس کے سبب سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق بن گئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وضربت عليهم الذلة والمسكنة وباؤوا بغضب من الله ذلك بأنهم كانوا يكفرون بآيات الله و يقتلون النبيين بغير الحق، ذلك بما عصوا و كانوا يعتدون﴾ [البقرة: ٦١] اور ان پر ذلت ومحتاجی مسلط کردی گئی، اور اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے، اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے تھے، اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے اور اسکے حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

اور اس کے برعکس نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق اتنا غلو کیا کہ ان کو درجۂ عبد و رسول سے بڑھا کر اللہ بنا دیا، جس کی بنا پر اللہ نے انھیں کافر قرار دے دیا: ارشاد فرمایا: ﴿ لقد كفر الذين قالوا إن الله هو المسيح ابن مريم﴾ [المائدة: ۱۷] یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح بن مریم ہیں۔ نصاریٰ نے مسیح کو ربوبیت اور الوہیت کے خصوصی صفات سے متصف کیا اور انھیں اللہ کا شریک بنا دیا، بلکہ اللہ کی تنقیص اور توہین کر ڈالی جب یہ تک عقیدہ بنالیا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ آسمان سے اترا، روح القدس کی شکل اختیار کی اور انسان بن گیا پھر اس کے بعد قتل کیا گیا اور سولی پر چڑھا دیا گیا، یہ عقیدہ عقل و علم سے کس قدر بعید ہے، اس گفتگو سے انبیاء و رسل کا اصل مقام، اور یہود و نصاریٰ کی ان کے متعلق افراط و تفریط اور اسلام اور اہل اسلام کی انبیاء و رسل سے متعلق شاہراہ اعتدال بالکل آشکارا ہے۔

چند برسوں سے یہود و نصاریٰ کی جانب سے خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد ﷺ کی تنقیص کی مسلسل کوششیں سامنے آرہی ہیں، لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم السلام کے متعلق سوء ادب کا ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں لاتے، یہ اسلام کے صحیح اور معتدل موقف کا اثر ہے جو اس نے انبیاء کے متعلق واضح کیا ہے، لیکن اہل کتاب کی جانب سے تنقیص کے ردعمل میں بحر و بر میں کروڑوں کی تعداد میں شامل ہو کر احتجاجی مظاہرے کر کے اپنے نبی سے محبت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ تنقیص کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ ہم انسانی معاشرے میں نبی عربی کا وقار گھٹا لے گئے، رہے ان کے انبیاء تو انہیں درجۂ اِلٰہ پر فائز کر کے ان کے جملہ حقوق محفوظ کر دیئے گئے ہیں، اِلٰہ کا تقدس تو اسی میں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کی تنقیص نہ کی جائے، یہی حال دیگر اقوام کے بزرگوں کا بھی ہے، یہ دراصل بہت پرانا مرض ہے جو قوم نوح کے زمانہ سے ہزاروں برس سے چلا آرہا ہے، جدید تاریخ انسانی میں تنہا خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی ہے جسے اِلٰہ کا درجہ نہیں دیا جا سکا نہ دیا جا سکتا ہے، نہ عرب اس پر راضی ہوں گے نہ ہی کرۂ ارض کے دیگر مسلمان، اس لیے کہ توحید خالص ان کے یہاں زندہ ہے وہ اللہ کے حقوق سے آگاہ ہیں اور نبی کی عبدیت و رسالت کے رتبہ کو وہ خوب سمجھتے ہیں، نبی ﷺ نے خود ہی اس کی تاکیدات کی ہیں کہ میرے متعلق مبالغہ ہرگز نہ کیا جائے، ایسے میں بے شمار الٰہ کے پرستاروں کا تیر ستم ہمارے نبی ﷺ کی جانب ہونا لازم ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کر کے ہم امن عالم کی شاہراہ تعمیر کر رہے ہیں لیکن یہ دھوکا ہے، ایک اللہ کے حقوق غصب کر کے اور وقت کے نبی و رسول کی تنقیص کر کے حقیقی امن کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا، حقیقی امن کے ستارے تو دراصل افق پر اس وقت چمکتے ہیں جب تنقیص کے ردعمل میں ہزاروں لوگ انسانیت کی نجات کے اس مجاہد اعظم رسول بشر کی سیرت و سنت جاننے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور پھر کیا ہوتا ہے؟ اس کے رشتۂ اطاعت میں بندھ کر انسانیت کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کرنے لگتے ہیں اور امن کی حقیقی شاہراہ کی تعمیر میں شبانہ روز لگ جاتے ہیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

☆☆☆

منصب رسالت کی عظمت کو سمجھنا انسانیت کا فرض ہے

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ

فروری ۲۰۰۶ء میں ممبئ عظمی کی جمعیۃ اہل حدیث نے منصب رسالت کے موضوع پر ایک عظیم کانفرنس منعقد کی تھی جس میں ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ بھی مدعو تھے، لیکن کسی مجبوری کے سبب وہ جانہ سکے اور ذیل کی تحریر انہیں بھیج دی گئی تھی جسے اجتماع میں پڑھ کر سنایا گیا تھا۔ افادۂ عام کی غرض سے اسے محدث میں شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

میرے لئے یہ بات باعث مسرت ہے کہ ان سطور کے ذریعہ آپ سے مخاطب ہوں، میرا فرض تھا کہ اس کانفرنس میں جسمانی طور پر شریک رہوں، لیکن اللہ تعالی کا فیصلہ دوسرا تھا، اس میں کوتاہی یا محرومی اس خاکسار کی ہے، ورنہ صوبائی جمعیت اور اس کانفرنس کے ذمہ داران نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی، میں ان حضرات کی اور آپ تمام لوگوں کی محبت وخلوص کا قدرداں ہوں، اور اللہ تعالی سے دعاء کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو صحت وعافیت اور دین ودنیا کی سرخروئی وکامیابی سے سرفراز فرمائے، آمین۔

میرے بزرگو اور بھائیو! میں اور آپ دونوں دلفگاری کا شکار ہیں، اور اسلامی اخوت کے تقاضہ سے ایک دل فگار دوسرے دل فگاروں کی اشک شوئی کررہا ہے، آپ منصب رسالت کانفرنس میں شریک ہیں، اور آپ کے اجتماع کا محرک شان رسالت میں یورپ کے ایک چھوٹے سے ملک ڈنمارک کے کسی شخص کی گستاخی اور ناموس رسالت کی توہین ہے، دوسرے کچھ لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا ہے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ خاکسار اس وقت جامعہ سلفیہ کے عربی میگزین (صوت الامۃ) میں شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی وقیع ومقبول انام کتاب ''مقدس رسول'' ﷺ کا عربی زبان میں مختصر تعارف لکھ رہا ہے، اس کتاب کی تالیف کا پس منظر شاید نئی نسل کو نہ معلوم ہو، لیکن ملک کی آزادی سے پہلے کی مذہبی سرگرمیوں پر جن کی نظر ہے وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں، اس لئے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں، البتہ یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک میں پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں گستاخی عقل وہوش والے کسی انسان کا کام نہیں۔

حاضرین کرام! نبی اکرم ﷺ کی بے مثال شخصیت کے محاسن وکمالات کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں آپ کی تعلیمات کو متعدد پہلوؤں سے دیکھنے کی ضرورت ہے، مثلا:

انسانی پہلو، مذہبی پہلو اور اصلاحی پہلو۔

آپ ﷺ کی تعلیمات میں انسانی پہلو کو سمجھنا ہو تو آیئے کتاب وسنت کے چمنستان کی سیر کیجئے تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ آپ سے بڑھ کر کسی اور نے انسانیت کی تکریم نہیں کی ہے، جزیرۂ عرب کے جہنم زار کو جس طرح آپ نے جنت نشاں بنا دیا اس سے سارا عالم واقف ہے، عدل ومساوات، صدق وامانت اور دوسرے فضائل کی جس طرح آپ نے تعلیم دی اس کی جزئیات پیش کرنے کا یہ موقع نہیں، لیکن کیا دنیا والے اس بات کو بھول سکیں گے کہ مکہ کے ایذا شعار اور شر پسند عناصر آپ کے سامنے فتح مکہ کے موقع پر قیدی بنا کر لائے گئے تو آپ نے ان سے کیا فرمایا؟

اور کیا حقوق نسواں کے تحفظ کا دعوی کرنے والے آپ کے اس اعلان کو فراموش کر سکیں گے کہ اولاد کا قتل اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا حرام اور بدترین جرم ہے، اور یہ کہ جو شخص ایک یا دو (یا اس سے زائد) لڑکیوں کی پرورش کرے اور ان کو تعلیم وتربیت دے اس کے لئے جنت ہے؟

انسانیت کی خوشحالی اور عالمی نظام کی بحالی کا دم بھرنے والے کیا اس حیات افزا پیغام کی معنویت کو نظر انداز کر سکتے ہیں، جس میں آپ نے پوری دنیا کے انسانوں کو آدم کی اولاد اور بہت سی مخلوقات سے افضل بتایا، اور ان کے مابین نسل ورنگ اور علاقہ وزبان کی بنیاد پر تفریق کو غلط ٹھہراتے ہوئے فضیلت وبرتری کا معیار صرف بزرگی اور تقوی کو ٹھہرایا؟

اگر آپ کی مقدس تعلیمات کے مذہبی پہلو کو سمجھنا ہو تو اس بات پر غور کیجئے کہ آپ نے توحید کا درس دیا، اور پورے عالم کو اس کے خالق اللہ ذوالجلال سے جوڑ دیا، توحید کی اس دعوت کو اللہ کا بھیجا ہوا ہر نبی اور رسول لے کر آیا تھا، لیکن دنیا والوں نے اس پاکیزہ تعلیم کو فراموش کر دیا تھا، جب پیغمبر اسلام ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنی رسالت ودعوت کا پہلا اعلان فرمایا تو اس میں اسی توحید وخدا پرستی کا سبق تھا جسے سن کر اساطین قریش کی تیوریاں چڑھ گئیں!

آپ نے دنیا والوں کو عبادات واخلاق کی تعلیم دی جن سے بڑھ کر تزکیہ ونجات کا کوئی ذریعہ نہیں، آپ نے شراب، زنا، چوری اور دوسرے رذائل کو حرام ٹھہرا کر یہ ثابت کر دیا کہ انسانی معاشرہ کے لئے یہ کام تباہ کن ہیں۔

آپ کی لائی ہوئی شریعت کی ایک دوررس تعلیم یہ بھی ہے کہ ہر شخص خود اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، آخرت میں اسے اس کی جوابدہی کرنا ہے، اگر انسان کا اپنا عمل درست نہ ہوگا تو نجات ممکن نہیں۔

آپ نے آزادئ فکر وعمل کے اصول کا تعارف یہ کہہ کر فرمایا کہ: دین میں زبردستی نہیں، صحیح اور غلط راہ عیاں ہے۔

دیگر مذاہب کی محترم شخصیات اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا تا کہ غصہ اور نادانی میں وہ اللہ کے لئے نازیبا کلمات زبان پر نہ لائیں۔

آپ کی شریعت کی یہ تعلیم بھی خاص طور پر آج کے دور میں توجہ کے قابل ہے کہ: معاملہ اپنے کا ہو یا بیگانہ کا، انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے، کسی فرد یا قوم سے دشمنی انسان کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ وہ انصاف چھوڑ کر ظلم پر آمادہ ہو جائے۔

مذہبی پہلو کے حوالہ سے میں یہ عرض کرنا بھی چاہوں گا کہ: دنیا کے مختلف متمدن وغیر متمدن حصہ میں اسلام کس طرح پھیلا، یورپ کے جس ملک یا جن ملکوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں آج گستاخی کی جارہی ہے وہاں کے ذمہ داروں اور باشندوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کی ترقی وتمدن کے باوجود اسلام وہاں کیونکر پہنچا؟ یہ اسلام کی حقانیت اور اس کی تعلیمات کا کمال ہے، اسے سمجھنے کے لئے دل کی وسعت اور نظر کی بلندی کی ضرورت ہے۔

اصلاحی وانقلابی پہلو کی وضاحت کے لئے میں خود کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ بات طویل ہو جائے گی، صرف کتاب ''رحمۃ للعالمین'' مؤلفہ علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کی جلد اول کے شروع کی اس بحث کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جس میں علامہ نے اس خوشگوار انقلاب کا اجمالی ذکر کیا ہے جو نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر وجود میں آیا۔

اسی کتاب کا ایک اور حوالہ بھی دینا چاہتا ہوں، مصنف رحمہ اللہ نے اس کے تیسرے حصہ میں تین باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں نبی ﷺ کے خصائص، دوسرے باب میں قرآن کریم کے خصائص اور تیسرے باب میں دین اسلام کے خصائص ذکر کئے ہیں، نبی ﷺ کے خصائص میں ایک خصوصیت آپ کے ''رحمۃ للعالمین'' ہونے کی ہے، مصنف علام نے اس خصوصیت پر کتاب کے دوسرے حصہ میں بھی بحث کی ہے، وہ بھی قابل دید ہے۔ تیسرے حصہ میں رحمۃ للعالمین کا مبحث صفحہ ۱۱۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۲۵ پر ختم ہوا ہے، اسے آپ توجہ سے پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالی نے دنیا میں کیسی عظیم اصلاح اور کیسا پاکیزہ انقلاب برپا فرمایا تھا! مصنف نے تیسرے حصہ کے مذکورہ مبحث میں کل (۴۶) وجوہ ذکر کی ہیں، اور واضح کیا ہے کہ ان ہی وجوہ سے محمد ﷺ کو اللہ تعالی نے ''رحمۃ للعالمین'' کا لقب عطا فرمایا ہے۔

ان وجوہ میں سے ۱۸ نمبر کی وجہ میں لکھتے ہیں:

''رحمۃ للعالمین وہ ہے جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے اور مانع بھی، حضور ﷺ نے یہ فرمان سنایا:

" تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان "۔

جملہ اقسام نکوئی میں اور جملہ انواع خدا ترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں تم کسی کی مدد نہ کیا کرو۔

اور ۳۰ نمبر کی وجہ میں لکھتے ہیں:

''رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا، امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے، جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔''

اور ۳۵ نمبر کی وجہ میں لکھتے ہیں:

''رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے علوم مابعد الطبیعیۃ کو آثار نفسی وآفاقی سے مبرہن کیا جس نے اعمال اور اعمال کا روح سے تعلق جس نے میزان اور حق وباطل کا توازن بتلایا۔''

مخلص بھائیو! بات طویل ہوگئی، لیکن ابھی کئی ضروری چیزیں باقی ہیں، انہیں کسی دوسرے موقع پر عرض کروں گا، مگر یہ سن لیجئے کہ سیرت طیبہ کے غیر مسلم مصنفین کی فہرست طویل ہے، ان میں اچھا اور برا ہر طرح کے لکھنے والے ہیں، ان میں ایک ''مائیکل ہارٹ'' بھی ہے جس نے دنیا میں صالح انقلاب برپا کرنے والوں کی فہرست میں رسول اکرم ﷺ کو سرفہرست رکھا، کوشش کی گئی کہ پہلے نمبر پر حضرت عیسی علیہ السلام کا نام رکھ دے، لیکن اس نے انکار کر دیا، اور کہا کہ میری نظر میں اس مقام کے سزاوار صرف پیغمبر اسلام (ﷺ) ہیں۔

ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اسلام نے سابقہ تمام نبیوں اور ان پر نازل کی گئی کتابوں پر ایمان کو ضروری قرار دیا ہے، اور ان نبیوں اور رسولوں کا پاکیزہ تذکرہ کیا ہے، اور ان کی تکریم وتوقیر کا حکم دیا ہے، دنیا والوں اور خاص طور پر مذاہب کے ماننے والوں کو اسلام کی دی ہوئی اس نعمت کی قدر کرنا چاہئے۔

دینی بھائیو! آپ کا دل مجروح ہے، میرا دل بھی مجروح ہے، بلکہ پوری انسانیت کرب میں مبتلا ہے، کیونکہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن کی شان میں گستاخی کی گئی ہے، پیغمبر اسلام ہم میں سے کسی کی تعریف کے محتاج نہیں، کیونکہ آپ کی سب سے اچھی اور دائمی تعریف کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے لیا ہے، اور آپ اس کے مظاہر اذانوں، نمازوں، تعلیم گاہوں اور اسلامی عبادات وتعلیمات میں دیکھ سکتے ہیں: (ورفعنالك ذكرك) ۔ لیکن اس ذات گرامی کی تعریف کے محتاج ہم ہیں، اور پوری انسانیت ہے۔ ہمیں دل آزاری کے مواقع پر خود اس ذات گرامی کی سیرت طیبہ پر نظر رکھنا چاہئے کہ کس طرح اس نے طائف میں شرارت پسندوں کے ہاتھوں پتھر کھا کر ان کے ہدایت کی دعاء اور لاعلمی کا عذر تلاش کیا تھا: صلی اللہ علیہ وسلم۔

حاضرین کرام! میں اپنے لئے اور آپ تمام حضرات کے لئے یہ نصیحت ضروری سمجھتا ہوں کہ: پیغمبر اسلام کی سب سے عظیم خصوصیت آپ کا عملی پہلو تھا، اور اسی کو ہمارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا گیا ہے، اگر آج ہم اپنے عمل سے اسوۂ رسول ﷺ کو دنیا کے سامنے پیش کر دیں تو یقین جانئے: ظلم وستم، بغض وعداوت، فحاشی وبداخلاقی اور انتشار وافتراق کی ستائی ہوئی یہ دنیا اسلام کے قدموں میں ہوگی۔ ہمیں حکمت، حوصلہ، صبر اور دل کی وسعت سے کام لینے کی ضرورت ہے: (والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا ، وان الله لمع المحسنين).

اللہ تعالی آپ کی کانفرنس کو مبارک بنائے، اس سے ہم سب کی اصلاح ہو، اور ہمارے دلوں میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، آمین۔

وصلى الله على رسوله الكريم، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

☆☆

(ماہنامہ محدث بنارس جولائی ۲۰۰۶ء)

دین رحمت اور رسول رحمت ﷺ

افادات: مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ

اسلام نے دینی عقائد واعمال کا جو تصور قائم کیا ہے، اس کی بنیاد بھی تمام تر رحمت اور محبت ہی پر رکھی ہے، قرآن مجید کی مختلف تصریحات کے مطابق خدا اور بندوں کے درمیان بھی رشتہ محبت ہی کا ہے، مولانا ابوالکلام مرحوم فرماتے ہیں:

سچی عبودیت سے اسی کی عبودیت جس کے لیے معبود صرف معبود ہی نہ ہو، بلکہ محبوب بھی ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿والذین اٰمنوا أشد حبا لله﴾ [بقرة: ١٦٥] اور جو لوگ ایمان والے ہیں، ان کے دلوں میں تو سب سے بڑھ کر چاہت اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔

﴿قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله و یغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم﴾ [آل عمران: ٣١] (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے واقعی محبت رکھتے ہو تو چاہئے کہ میری پیروی کرو۔ (کیونکہ میں تمہیں اللہ سے محبت کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں) اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ وہ بڑا ہی غفور رحیم ہے۔

حبّ رسول ﷺ:

خود رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات سے محبت بھی اسی لیے دنیا بھر کے انسانوں پر فایق و برتر ہوگئی کہ ان کے ذریعے سے ہمیں خدا کا راستہ ملا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: " لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من والده وولده والناس أجمعین " [1] تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور پورے عالم انسانیت سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

رسول اللہ ﷺ جو نور ہدایت لے کر آئے، اس کے سوا ہدایت کا کوئی وجود نہیں اور انسان کے لیے سب سے پہلی چیز ہدایت حق ہے، اس کے بعد تمام رشتے آتے ہیں اور خود رشتوں کے واجبات نیز ان کی تکمیل وسرانجام کے طریقے بھی ہمیں اسی نور ہدایت سے ملے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے ہماری زندگی میں مشعل راہ بنا۔

خدا سے محبت کی عملی راہ:

یہ بھی بتا دیا کہ خدا بزرگ و برتر سے محبت کی عملی راہ خدا کے بندوں کی محبت سے ہو کر گزری ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے، اسے چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور حضور ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔ اقبالؒ نے مندرجہ ذیل شعر میں اسلام کے اسی پاکیزہ مقصد کا نقشہ کھینچا ہے:

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول اللہ ﷺ

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

قرآن مجید اور احادیث میں خدا کے بندوں سے پیار کے لیے جو کچھ موجود ہے اس کا خاصا بڑا حصہ جا بجا پیش کیا جا چکا ہے اور اعادہ غیر ضروری ہے۔ اسی دنیا میں نگرانی اور دیکھ بھال کے محتاجوں کی کوئی صنف ایسی نہیں، جس کے لیے مختلف صورتوں میں انفاق کے احکام موجود نہ ہوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کی اعانت، بیواؤں، مسکینوں اور اسیروں کی امداد، غلاموں کو غلامی سے چھڑانا، مسافروں کی خبر گیری، قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے سہارا دینا۔ غرض کون سی ضرورت ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا؟ واضح رہے کہ اسیروں سے مراد وہ لوگ نہیں جو جرموں کے ارتکاب کے بعد جیل خانوں میں چلے جاتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ میں پکڑے جائیں یا زمانۂ ماضی کی طرح اب کوئی ظالم شخص کسی کو گرفتار کر کے اپنا کام لینے لگے۔

جہاں صحیح اسلامی معاشرہ موجود ہو اور اس کے تمام افراد اپنے واجبات کتاب وسنت کے مطابق پورے کریں، وہاں کوئی ایسا محتاج نظر ہی نہیں آ سکتا، جسے کسی کی طرف حسرت بھری نظر سے دیکھنے یا ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہو۔ ارباب استطاعت کا اسلامی جذبۂ خیر نیز محتاج کی اسلامی خودداری اور عزت نفس، دونوں اپنی جگہ کارفرما ہوں گے۔ پہلے گروہ کے نزدیک انفاق اسی طرح واجب ہے، جس طرح خود اس گروہ کے لیے ذاتی ضروریات پورا کرنا واجب ہے۔ محتاج کسی سے نہیں لیتا کہ اس کا ممنون ہو۔ اللہ نے اس کا حصہ مقرر کر دیا ہے اور وہ اپنا حصہ لیتا ہے۔ یہ اسلام تھا جو رسول اللہ ﷺ دنیا بھر کے انسانوں کے لیے لائے تھے۔

حضور ﷺ کے چند ارشادات:

حضور ﷺ کے بعض ارشادات بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ فرمایا:

۱- خدا کی رحمت انہی بندوں کے لیے ہے جو خدا کے بندوں کے لیے رحمت رکھتے ہیں۔

۲- زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

۳- جو شخص رحم کرے گا، اگرچہ ایک چڑیا ہی کے لیے کیوں نہ ہو، خدا اس پر رحم کرے گا۔

۴- من لا یرحم لا یرحم یعنی جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

۵- ایک اعرابی نے نماز پڑھتے ہوئے دعا کی کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور ہمارے ساتھ اور کسی پر رحم نہ کر۔ جب وہ نماز ادا کر چکا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو نے بہت وسعت والے کا دروازہ تنگ کر دیا۔

اعرابی نے یہ دعا بُری نیت سے نہیں کی تھی، اس کے تصورات ہی اس قسم کے تھے۔ حضور ﷺ نے سمجھا دیا کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ تمام انسانوں کے لیے بھلائی مانگنے سے بھی اس کی رحمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

صفات الٰہی کا پرتو:

انسانیت کی تکمیل یہ ہے کہ صفات الٰہیہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تشبہ پیدا کیا جائے یعنی اتنا تشبہ جتنا انسان کے بس میں ہو۔ان صفات کا عکس انسان کے آئینۂ فکر وعمل میں ٹھیک ٹھیک اتارنے کے لیے کوئی دقیقۂ سعی اٹھا نہ رکھنا چاہئے۔مولانا ابوالکلام مرحوم ومغفور فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ہم میں خدا کی رحمت کا تصور پیدا کرنا چاہتا ہے تو صرف اس لیے کہ ہم بھی سراپا رحمت بن جائیں۔اسی طرح قرآن خدا کی ربوبیت، رافت، شفقت اور احسان، نیز دوسری صفات کا نقشہ کھینچتا ہے تاکہ ہم میں بھی بقدر ہمت واستطاعت انہیں صفات کا جلوہ نمودار ہو:

''قرآن ہمیں بار بار سناتا ہے کہ خدا کی بخشش ودرگزر کی کوئی انتہا نہیں اور اس طرح ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم میں بھی اس کے بندوں کے لیے بخشش ودرگزر کا غیر محدود جوش پیدا ہو جانا چاہیے۔اگر ہم اس کے بندوں کی خطائیں بخش نہیں سکتے تو ہمیں کیا حق ہے کہ اپنی خطاؤں کے لیے اس کی بخشایشوں کا انتظار کریں؟[1] یہ آخری فقرہ اس حدیث پر مبنی ہے کہ من لا یرحم لا یرحم۔''

احکام وشرائع اور تلقینات:

جس حد تک احکام وشرائع کا تعلق ہے، جزاء سیئة سیئة مثلها (برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی) اپنی جگہ قائم ہے کیوں کہ تمام انسان حوصلے اور ہمت میں یکساں نہیں ہوتے اور نہ ہر جرم ایسا ہوتا ہے کہ بخشا جائے تو مرتکب پر یا معاشرے کے حالات پر بہر حال اچھا اثر پڑے گا۔تاہم کتاب الٰہی کی تلقینات ہر لحظہ پیش نظر رہنی چاہئیں، جو عزیمت کی متقاضی ہیں، مثلاً:

۱- پھر جس نے درگزر کیا اور معاملے کو بگاڑنے کی جگہ سنوار لیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔(شوریٰ:۴۰)

۲-اور جو کوئی برائی پر صبر کرے اور بخش دے تو یقیناً یہ اولوالعزمی کی بات ہے(شوریٰ:۴۳)

۳-خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں اللہ کے لیے خرچ کرنے والے، غصے کو پی جانے والے، ہم جنسوں کے قصور بخش دینے والے، اللہ کی محبت انہی محسنین کے لیے ہے۔(آل عمران:.....)

۴- اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے (تلخی وناخوشگواری) صابرانہ برداشت کرلی۔نماز قائم رکھی، ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ (ہمارے بندوں کے لیے) خرچ کرتے رہے اور بُرائی کا جواب بُرائی سے نہیں بلکہ نیکی سے دیا تو یقین کرو کہ یہی لوگ ہیں، جن کے لیے آخرت کا بہتر ٹھکانا ہے۔(رعد:۲۲)

۵- اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو چاہئے کہ جتنی اور جیسی بُرائی تمہارے ساتھ کی گئی، ٹھیک اسی کے مطابق بدلا لو اور اگر تم برداشت کر جاؤ تو صابروں کے لیے برداشت کر لینا ہی بہتر ہے۔(نحل:۲۶)

اللہ کی بے پایاں رحمت:

رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے جس کے ذریعے سے خدائے قدوس کی بے پایاں اور لامتناہی رحمت کی

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول طبع دوم، ص:۱۰۲

بشارت بندگانِ خدا کو ملی۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: ﴿رحمتی وسعت کل شئ﴾ [اعراف:۱۵۶] میری رحمت کا یہ حال ہے کہ ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک موقع پر کچھ قیدی آئے۔ ان میں سے ایک عورت کو بچہ مل گیا، جو اس کا تھا۔ دیکھتے ہی مامتا کی خاص تڑپ کے ساتھ اسے سینے سے لگا کر دودھ پلانے لگی۔ بچہ مل جانے کی خوشی اور دودھ پلانے کی پُر سرور تسکین سے وہ بظاہر اس درجہ سرشار ہوگئی کہ گرد وپیش اور ماحول کا بھی کچھ خیال نہ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا:

''أترون هذه طارحة ولدها فی النار؟ قلنا: لا وهی تقدران لا تطرحه. فقال: الله ارحم بعباده من هذه بولدها''.

تمہارا کیا خیال کہ آیا یہ عورت اپنا بچہ آگ میں ڈال دینے کے لیے تیار ہو جائے گی؟ ہم نے عرض کیا کہ جب تک اس کی طاقت وقدرت میں ہے کبھی نہ ڈالے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اپنے بندوں کے لیے اس سے زیادہ رحیم ہے۔ جتنی یہ عورت اپنے بچے کے لیے ہے۔

انسانوں، حیوانوں، پرندوں، چرندوں، درندوں وغیرہ میں سے کسی گروہ کو لے لیجئے۔ بچے کے لیے ماں کی مامتا سے بڑھ کر پُر خلوص محبت کا نظارہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ نے مامتا کا نظارہ دیکھ کر بندوں کے لیے اللہ کی رحمت کا ذکر فرمادیا اور اس محبت کا نقش لوگوں کے قلوب وارواح پر جمادینے کی صورت اس کے سوا کیا تھی کہ دنیا کی بہترین محبت سے بہ طور مثال کام لیا جائے۔ حقیقۃً بندوں سے اللہ کی محبت کا صحیح اندازہ پیش کرنے کی دل نشیں تر صورت کون سی ہے؟

جزئیات مسائل:

اگر آپ بعض امور کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات کی جزئیات سامنے رکھ لیں تو یقین ہے کہ سراپا حیرت زدہ رہ جائیں گے کیونکہ آج تک کائنات انسانیت کا کوئی بڑے سے بڑا عالم، فلسفی یا کوئی اور شخص ایسا استقصاء نہیں کرسکا۔ تاہم وہ بیان کردی جائیں تو آپ کے قلب وروح سے بے اختیار صدا بلند ہوگی، بلاشبہ ان میں سے ہر جزئیہ حق ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ پڑوسیوں کے حقوق کی نشان دہی فرماتے ہوئے ارشاد ہوا:

۱- اگر پڑوسی بیمار ہو تو اس کی عیادت اور خبر گیری کی جائے۔

۲- اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کا ساتھ دو یعنی تدفین میں ہاتھ بٹاؤ۔

۳- اگر وہ ضرورت مند ہو اور تم میں استطاعت ہو تو اسے قرض دو۔

۴- اگر وہ کوئی بُرا کام کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔

۵- اگر اسے کوئی نعمت یا مال ملے تو مبارک باد دو۔ (جس سے دلی مسرّت کا اظہار مقصود ہوتا ہے)۔

۶- اگر اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرو۔
۷- اپنے گھر کی عمارت اس طرح بلند نہ کرو کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا رک جائے۔
۸- جب تمہارے گھر میں کوئی اچھا کھانا پکے تو کوشش کرو کہ تمہاری ہنڈیاں کی مہک پڑوسی (اور اس کے بال بچوں تک) نہ پہنچے۔ یہ ان کے لیے باعث ایذا ہوگی یا اپنے اوپر لازم کرلو کہ اس کھانے کا کچھ حصہ پڑوسی کے گھر بھی بھیجو گے۔

پھر پڑوسیوں کی قسمیں بتائیں، یعنی:

۱- غیر مسلم جس کے ساتھ رشتہ داری بھی نہیں نچلے درجے کا پڑوسی ہے یعنی اس کے بھی حقوق ہیں، مگر دوسروں سے کم۔
۲- مسلم پڑوسی جس کے ساتھ رشتہ داری نہ ہو، اس کا درجہ پہلے کے مقابلے میں بلند تر ہے۔
۳- رشتہ دار مسلم پڑوسی یعنی پڑوسی بھی، مسلم بھی اور رشتہ دار بھی۔ یہ سب سے اونچے درجے پر فائز ہے۔

آپ کو ان جزئیات کی کوئی مثال کسی دوسری جگہ مل جائے تو مہربانی فرما کر پیش کردیجئے اور یہ صرف ایک مسئلے کے متعلق ہے۔ ہر مسئلے میں آپ کو ایسی ہی جزئیات ملیں گی جو سامنے آجائیں تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ بھی واقعی جزئیات ہیں، ورنہ کسی کی نظر ان گہرائیوں پر جا ہی نہیں سکتی۔

بنیادی امر:

یہ پاک دین تھا، جس کی دعوت کے لیے رسول اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ اسلام کا خدا رؤف ورحیم، اسلام کا رسول ﷺ رؤف ورحیم۔ اسلام کے پیروؤں کو زیادہ سے زیادہ رحمت ومحبت، شفقت اور عفوودرگزر کی تعلیم دی گئی تھی۔ عالم انسانیت کی اصلاح ودرستی کا کارا ہم اسی طرح بوجہ احسن پورا ہوسکتا تھا۔

بلاشبہ بلا کی گنجائش رکھی گئی، کیونکہ تمام انسان عزم الامور کی ترازو میں پورے نہیں اُتر سکتے، لیکن ترجیح عزم الامور ہی کو حاصل ہے اور مقاصد اصلاح ودرستی کو جلد سے جلد پایۂ تکمیل پر پہنچانا بھی عزم الامور ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔

اصلاح کے سلسلے میں بنیادی امر یہ ہے کہ جن کی اصلاح مقصود ہو، انہیں سب سے پہلے یہ یقین ہوجائے کہ ان کے ساتھ داعی اصلاح کو دلی ہمدردی ہے۔ یہ یقین داعی کے بلند طرز عمل ہی سے پیدا ہوسکتا ہے۔ جیسے جیسے دائرۂ اصلاح پھیلتا جائے گا فتنہ وفساد کا ازالہ ہوتا جائے گا۔ نئے نئے داعی بروے کار آئیں گے۔ اس طرح رحمت خداوندی سے کیا بعید ہے کہ کروڑوں انسان تھوڑے ہی عرصے میں راہِ حق پر لگ جائیں۔ ''یدخلون فی دین الله أفواجا'' کا ایک منظر وہ تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے مبعوث ہونے کی ضرورت پوری کردی۔ ﴿یدخلون فی دین الله أفواجا﴾ کا آخری منظر ابھی باقی ہے۔ جب شش جہت سے اعتراف رحمۃ للعالمین کی صدائے حق بلند ہوگی اور کائنات انسانیت کے لبوں پر اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمدو آله و سلم کا ترانہ ہوگا۔

عظیم ترین محسن انسانیت:

آپ نے کبھی سوچا کہ خونی رشتے سے بڑھ کر سچی، پُرخلوص اور مستحکم محبت پیدا کرنے کے مؤثر ترین وسائل کیا ہیں؟

حضور ﷺ کے بعض ارشادات پر ایک سرسری نظر ڈال لیجئے، آپ کو یقین ہو جائے گا کہ انسانیت پر اس بنیادی اور دوامی احسان کے لیے جو طریقے حضور ﷺ نے اختیار فرمائے۔ ان سے بہتر اور حصول مقصد کے لیے موثر تر ذریعے کوئی نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا: ''بدگمانی سے دور رہو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ ایک دوسرے کے بھید نہ ٹٹولو، عیب جوئی نہ کرو، باہم بغض نہ رکھو اور بھائی بھائی ہو جاؤ۔ [۱]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''آپس میں بعض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو۔ آپس کے تعلقات نہ توڑو اور خدا کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ تین روز سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ [۲]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن پکے تو اسے چاہئے کہ شوربا زیادہ کر لے۔ پھر اس میں سے کچھ پڑوسی کو بھی بھیج دے۔'' [۳]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (یعنی میری جماعت میں سے نہیں) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کر مزے سے سو جائے جب اس کے پہلو میں رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور پیٹ بھر کر سو جانے والے کو علم ہو کہ پڑوسی بھوکا ہے۔ [۱]

آج رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے کتنے مدعی ہیں جو حقیقی ایمان کی اس میزان میں پورے اتر سکتے ہیں؟ جو لوگ محض اتفاقات کی بنا پر کچھ عرصے کے لیے امر و حکم میں شریک ہو جاتے ہیں، وہ اپنے عالی شان ایوانوں میں اس طرح پیٹ بھر کر سوتے ہیں کہ لاکھوں بھوکوں اور محتاجوں کا احساس تک انھیں نہیں رہتا۔ احساس ہو تو تڑپ کر باہر نہ نکل آئیں؟ احساس ذمہ داری ان بزرگوں کو تھا جو راتوں کو جگہ جگہ خفیہ خفیہ دورے کر کے اندازہ کیا کرتے تھے کہ کوئی ستم زدہ ان کے دائرۂ علم سے باہر تو نہیں رہ گیا؟ پھر دیکھیے ارشاد کا مدعا جہاں یہ ہے کہ مختلف انسانی حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے وہاں یہ بھی ہے کہ ان میں وہ محبت، وہ رحمت اور وہ شفقت بروئے کار آجائے، جو خونی رشتوں میں بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ اگر انسانیت کا کوئی محسن اس عظمت و شان کا ہے تو اس کا نشان بتائیے۔ یہ منصب ازل سے رحمۃ للعالمین ﷺ کے لیے خاص ہو گیا۔

(رسول رحمت، مرتب: مولانا غلام رسول مہر)

☆☆☆

---

۱ صحیح بخاری، کتاب النکاح باب لا یخطب علی خطبۃ أخیہ
۲ صحیح بخاری، کتاب الادب باب ما ینھی عن التماس
۳ رواہ الطبرانی فی الأوسط
۱ رواہ الطبرانی فی الکبیر

سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

قال الله تعالى: ﴿إن كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله﴾ (آل عمران:۳۱)

حضرات! خدا کی محبت کا اہل، اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لیے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقہ کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کیا جائے، لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے، اس نے اپنے پیغمبر کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے، اور اس عملی مجسمہ کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اور اس کے پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے، چنانچہ اسلام میں دو چیزیں ہیں، کتاب اور سنت، کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں، اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں، وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام علیہ السلام خدا کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گذرے، یعنی آپ ﷺ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے، الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لیے جو چیز ہے، وہ سنت نبوی ﷺ ہے۔ وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں، ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف انسانی سے متعلق ہوں، اس دنیا کی بنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ہیں اور محکوم، مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی، امن وامان کے قیام کے لیے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے، اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولتمند بھی، رات کے عابد وزاہد بھی ہیں، اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل وعیال بھی ہیں، اور دوست احباب بھی، تاجر اور سوداگر بھی ہیں، اور امام اور پیشوا بھی، غرض اس دنیا کا نظم ونسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے، اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے، اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی ﷺ کے اتباع کی دعوت دیتا ہے، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لیے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے، جو ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہوجاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے، یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لیے اس کی سیرتِ پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لیے درس اور سبق موجود ہیں، ایک حاکم کے لیے محکوم کی زندگی اور ایک محکوم کے لیے حاکم کی زندگی، ایک دولتمند کے لیے غریب کی زندگی، اور ایک غریب کے لیے دولتمند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لیے ضرورت ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔

اصناف انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے، ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی ہیں، ہنستے بھی ہیں، روتے بھی، پہنتے بھی ہیں، اتارتے بھی، نہاتے بھی ہیں دھوتے بھی، لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی، سیکھتے بھی ہیں سکھاتے بھی، مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی، اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی، عبادت و دعاء بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں میزبان بھی، ہم کو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں، عملی نمونوں کی ضرورت ہے، جو ہم کو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے وہ افعال ہیں، جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے، اور جن کی تعبیر ہم اعمالِ قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں، ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبۂ احساس سے متاثر ہوتے ہیں، ہم کبھی راضی ہیں کبھی ناراض کبھی خوش ہیں کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں، اور کبھی نعمتوں سے مالا مال کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں، اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار ان ہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے، ان سب کے لیے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے، جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ہو، جو ان ہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے، جن پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گذر چکا ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر و شکر، توکل، رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت قربانی قناعت استغناء، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض نشیب و فراز، بلند و پست، تمام اخلاقی پہلوؤں کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے، مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے، مگر نرم اخلاق کا نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے، مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں، انسان کو اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے، اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام ﷺ کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

غرض ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر، اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ

احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بیکسی کے عالم میں حق کے منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم ونسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ وآمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہؓ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصرہ کے کارواں سالار کی مثالیں ڈھونڈھو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو، جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو، جس کی نظر انصاف میں شاہ وگدا اور امیر وغریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیاتِ پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ وحسینؓ کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو، اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستگی واصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ، اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیتِ کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اس لیے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اس کے سامنے نوح، ابراہیم، ایوب، ویونس، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیائے کرامؑ کی سیرتیں ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اخلاق واعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔

آج سے ۳۰-۴۰ برس پہلے پٹنہ کے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم نور اسلام نام کا ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انھوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے، اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں، انھوں نے پوچھا، ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰؑ کو کیا سمجھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ محمد ﷺ کے مقابلہ میں عیسیٰؑ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہوا ہو، میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو، انھوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام ﷺ کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو، اس نے جواب دیا کہ مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں، جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے

قبضہ میں نہ جانتا ہو، بلکہ خدا کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر ہوئے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں، اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولہا نہ جلتا ہو، اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گذر جاتے ہوں، سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو، اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جان نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چوں و چرا دستخط کر دیتا ہو، شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باتعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کو بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہو، اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو، اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو، اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے بُرا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا، اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعاء خیر کی، اور راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا، اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا، عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکا ہوتا ہو، وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اُس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کی تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے، عین اس دن جب عرب کے اطراف سے آ آ کر اس کے سامنے صحنِ مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے، اسکے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین اُس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی غلام بنا کر بھیجے جارہے ہیں، فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے، عین اس وقت جب آدھا عرب اس کے زیر نگیں ہوتا ہے، حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں، ادھر ادھر نظر اٹھا کر کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں، آپ ﷺ ایک کھری چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں، جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے ہیں اور ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات ﷺ کے گھر کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں، اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں، ارشاد ہوتا ہے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

ابوسفیان جو آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے حریف تھے، فتح مکہ کے دن وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں، رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آرہا ہے، قبائل عرب کے موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آرہی ہیں، ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں، وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں،

عباس! تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا، عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا، ابوسفیان! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔

عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس، مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے، اور مذہباً عیسائی تھے، وہ حضور ﷺ کے دربار میں آتے ہیں، صحابہؓ کی عقیدت مندیوں، اور جہاد کا ساز وسامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے، کہ محمد ﷺ بادشاہ ہیں، یا پیغمبر، دفعۃً مدینہ کی ایک غریب لونڈی آکر کھڑی ہوتی ہے، اور کہتی ہے کہ حضور ﷺ سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں، دیکھو، مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں، یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں، اس ظاہری جاہ وجلال کے پردہ میں یہ عجز، یہ خاکساری یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے، اور دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے، فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں اور محمد رسول ﷺ کا حلقۂ اطاعت اپنی گردن میں ڈال دیتے ہیں، غرض میں نے جو کچھ پہلے کہا، وہ محض شاعرانہ انشا پردازی نہیں، بلکہ تاریخی واقعات ہیں، ایسی کامل وجامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو وہی اس لائق ہے، جو اس اصناف وانواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے، جو غیظ و غضب اور رحم وکرم، جود وسخا اور فقر وفاقہ، شجاعت و بہادری، اور رحم دلی ورقیق القلبی، خانہ داری اور خدادانی، دنیا اور دین دونوں کے لیے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے، جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی، اور آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بشارت دے، اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد وقوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف عفو درگذر، معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں، اس لیے جس ہستی میں صرف یہی ایک پہلو ہو وہی انسانیت کی سب سے بڑی معلم اور محسن ہے، لیکن ہمیں یہ بتاؤ کہ انسان کے اخلاق میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں، یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں، ایک انسان میں دیکھو تو غصہ، کرم، محبت اور عداوت، خواہش اور قناعت، انتقام اور عفو، ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں، اس لیے ایک کامل معلم وہی ہوسکتا ہے، جو انسانیت کے ان تمام قویٰ اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف کو متعین کر دے، جن مذہبوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف رحم وکرم اور عفو درگذر پر مبنی ہیں، وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کتنے دن ان سیرتوں کے مطابق عمل کر سکے؟ قسطنطین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی مذہب میں کتنے صاحب تاج وتخت پیدا ہوئے، اور کتنی بادشاہیاں قائم ہوئیں، مگر ان میں سے کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار دیا؟ پھر ایسی سیرت جو عملی دنیا میں ہر حیثیت سے اپنے پیروؤں کے لیے نمونہ ہو، وہ کیونکر جامع کہی جاسکتی ہے؟

حضرت نوح کی زندگی، کفر کے خلاف غیظ وغضب کا ولولہ پیش کرتی ہے، حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے، حضرت موسیٰ کی زندگی کفار سے جنگ وجہاد، شاہانہ نظم ونسق اور اجتماعی دستور وقوانین کی مثال پیش کرتی ہے،

حضرت عیسیٰ کی لائف صرف خاکساری، تواضع، عفو ودرگذر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوب کی حیات صبر وشکر کا نمونہ ہے، حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت وانابت اور اعتراف کی مثال ہے، حضرت یوسف کی زندگی قید وبند میں بھی دعوتِ حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے، حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ وبکا، حمد وستایش اور دعا درازی کا صحیفہ ہے، حضرت یعقوبؑ کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوحؑ اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ وعیسیٰؑ، سلیمانؑ اور داؤدؑ، ایوبؑ اور یونسؑ، یوسفؑ اور یعقوبؑ سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر سما گئی ہیں۔

محدث خطیب بغدادی کی ایک ضعیف روایت ہے کہ: ''آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت ندا آئی کہ محمد ﷺ کو ملکوں ملکوں پھراؤ، اور سمندر کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام ونشان کو پہچان لے، جن وانس، چرند وپرند، بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحٰقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی طاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاکدامنی، اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔''

جن علماء نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، ان کا منشا درحقیقت یہی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صفت جامعیت کو نمایاں کریں کہ جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور سے عطا ہوا تھا، وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت ﷺ کو عنایت ہوا۔

آنحضرت ﷺ کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھو، یہ جامعیت کی صفتِ کاملہ پورے طور پر نمایاں ہو جائے گی، مکہ کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جاتے دیکھو، تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا، جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے، کوہِ حرا کے غار نشین اور کوہ سینا کے تماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے، مگر جو فرق ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں کھلی تھیں، اور آنحضرت ﷺ کی بند، حضرت موسیٰؑ باہر دیکھ رہے تھے، اور آنحضرت ﷺ اندر، کوہ زیتون پر وعظ کہنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰؑ) اور کوہ صفا پر چڑھ کر یا معشر قریش کہہ کر پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے، بدر وحنین اور احزاب وتبوک والے سپہ سالار اور موابیوں اور عمونیوں اور اموریوں سے نبرد آزما پیغمبر (موسیٰ) میں کس قدر مماثلت ہے، آنحضرت ﷺ نے مکہ کے سات سرداروں کو حق میں بددعا کی تو آپ ﷺ کی زندگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثل تھی، جب انھوں نے ان فرعونیوں پر بددعا کی جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے، اور جب آپ ﷺ نے احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعاء خیر کی تو اس وقت گویا آپ ﷺ حضرت عیسیٰؑ کے قالب میں تھے، جنھوں نے کبھی اپنے دشمنوں پر بھی بُرا نہ چاہا، جب محمد رسول اللہ ﷺ کو تم مسجد نبوی ﷺ کی عدالت گاہ اور پنچایتوں میں یا غزوات اور

لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسیٰؑ کی سیرت کا نقشہ کھینچ جائے گا، لیکن جب آپ ﷺ کو مکانوں کے حجروں میں، پہاڑوں کے غاروں میں، رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰؑ کا جلوہ نظر آئے گا، شب و روز کے ۲۴/ گھنٹوں میں آپ ﷺ کی زبان مبارک کی دعاؤں اور مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤدؑ کا تم کو دھوکا ہوگا، فتح مکہ کے خدم وحشم اور بیروق وعلم کے سایہ میں آپ ﷺ کو دیکھو تو تزک واحتشام اور فوجوں والے سلیمان کا مغالطہ ہوگا، اگر شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کو تین برس اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی دہانوں تک نہ پہنچ سکے تو مصری قید خانہ کے پیغمبر یوسفؑ کا جلوہ دکھائی دے گا، غرض:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسیٰؑ قانون لے کر آئے، حضرت داؤدؑ دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰؑ زہد واخلاق لے کر، مگر محمد رسول اللہ ﷺ قانون بھی لائے، دعا، ومناجات بھی، اور زہد واخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ ومعانی میں قرآن اور عمل میں سیرتِ محمدی ﷺ ہے۔

دوستو! اب سیرت محمد ﷺ کی جامعیت کا ایک اور پہلو آپ کو دکھاؤں، دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں، ایک وہ جہاں ایک فن سکھایا جاتا ہے، اور ہر فن کے لیے الگ الگ اور مستقل تعلیم گاہیں ہیں، جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے، کوئی انجینئرنگ کالج ہے، ایک آرٹ اسکول ہے، ایک تجارت کا مدرسہ ہے، ایک زراعت کی تعلیم گاہ ہے، ایک قانون کی درسگاہ ہے، ایک فوجی تعلیم کے لیے مدرسہ حربیہ ہے، ان میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کرسکتی ہے، میڈیکل کالج سے صرف ڈاکٹر نکلیں گے، زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے ماہر پیدا ہوں گے، قانون کے مدرسہ سے صرف قانون داں تیار ہوں گے، تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت کے واقف کار پیدا ہوں گے، علم وفن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہلِ علم اور اہلِ فن اٹھیں گے، لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشاء پرداز اور ادیب نکلیں گے، ملٹری کے کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے، علی ہذا القیاس، لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسیٹیاں ہوتی ہیں، یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتی ہیں، ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج بھی ہوتا ہے، اور صنعت وحرفت کا مدرسہ بھی زراعت اور انجینئرنگ کی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے، اور فوجی تعلیم کا اسکول بھی، طلبہ مختلف اطراف ودیار سے آتے ہیں اور اپنے ذوق ومناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب کرلیتے ہیں، پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی اور قانون داں، کاروبار کے تاجر اور مہندس، شفاخانوں کے حکیم اور ڈاکٹر، پیشوں اور صنعتوں کے واقف کار اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے ہیں۔ (خطبات مدراس)

☆☆☆

خانۂ نبوت

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

۱- ہجرت سے قبل مکہ میں نبی ﷺ کا گھرانہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر مشتمل تھا۔ شادی کے وقت آپ ﷺ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال۔ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کی پہلی بیوی تھیں۔ اور ان کے جیتے جی آپ ﷺ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ آپ ﷺ کی اولاد میں حضرت ابراہیم کے ماسوا تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں ان ہی حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ صاحبزادان میں سے تو کوئی زندہ نہ بچا البتہ صاحبزادیاں حیات رہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زینب، رقیہؓ، اُم کلثومؓ، اور فاطمہؓ۔ زینبؓ کی شادی ہجرت سے پہلے ان کے پھوپھی زاد بھائی حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوئی۔ رقیہؓ اور اُم کلثومؓ کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ کی شادی جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی عرصہ میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان کے بطن سے حسنؓ، حسینؓ، زینبؓ اور ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

معلوم رہے کہ نبی ﷺ کو اُمت کے بالمقابل یہ امتیازی خصوصیت حاصل تھی کہ آپ مختلف اغراض کے پیش نظر چار سے زیادہ شادیاں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جن عورتوں سے آپ ﷺ نے عقد فرمایا ان کی تعداد گیارہ تھی، جن میں سے نو عورتیں آپ کی رحلت کے وقت حیات تھی اور دو عورتیں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں (یعنی حضرت خدیجہ اور ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما) ان کے علاوہ مزید دو عورتیں ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کا ان سے عقد ہوا تھا یا نہیں! لیکن اس پر اتفاق ہے کہ انہیں آپ ﷺ کے پاس رخصت نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان ازواجِ مطہرات کے نام اور ان کے مختصر حالات ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔

۲- حضرت سودہؓ بنت زمعہ: ان سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند دن بعد نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال میں شادی کی۔ آپ ﷺ سے پہلے حضرت سودہؓ اپنے چچیرے بھائی سکران بن عَمرو کے عقد میں تھیں اور وہ انتقال کر کے انہیں بیوہ چھوڑ گئے تھے۔

۳- حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما: ان سے رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے گیارہویں برس ماہِ شوال میں شادی کی یعنی حضرت سَودہؓ سے شادی کے ایک سال بعد اور ہجرت سے دو برس پانچ ماہ پہلے۔ اس وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر ہجرت کے ساتھ ماہ بعد شوال ۱ھ میں انہیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی اور وہ باکرہ تھیں۔ ان کے علاوہ کسی اور باکرہ عورت سے آپ نے شادی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے محبوب بیوی تھیں اور امت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہ اور صاحب علم تھیں۔

۴-حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا: ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جو بدر اور احد کے درمیان عرصہ میں رحلت کر گئے اور وہ بیوہ ہوگئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی شادی کا یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔

۵-حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا: یہ قبیلہ بنو ہلال بن عامر بن صَعْصَعَہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسکینوں پر رحم و مروت اور رقت و رأفت کے سبب ان کا لقب ام المساکین پڑ گیا تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے عقد میں تھیں۔ وہ جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ۴ھ میں ان سے شادی کر لی۔ مگر صرف آٹھ ماہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں رہ کر وفات پا گئیں۔

۶-ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا: یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ جمادی الآخرہ ۴ھ میں حضرت ابوسلمہؓ کا انتقال ہو گیا تو ان کے بعد شوال ۴ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

۷-زینب بنتِ جحش بن ریاب رضی اللہ عنہا: یہ قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی پہلے حضرت حضرت زیدؓ بن حارثہ سے ہوئی تھیں۔ جنہیں رسول اللہ ﷺ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت زیدؓ سے نباہ نہ ہو سکا اور انہوں نے طلاق دیدی۔ خاتمہ عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ فلما قضى زيد منها وطرا زوجناها ﴾ [۳۳:۳۷] جب زید نے ان سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے انہیں آپ ﷺ کی زوجیت میں دے دیا۔''

انہیں کے تعلق سے سورۂ احزاب کی مزید کئی آیات نازل ہوئیں جن میں متبنّیٰ (لے پالک) کے قضیے کا دوٹوک فیصلہ کر دیا گیا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔ حضرت زینبؓ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی ذی قعدہ ۵ھ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

۸-جُویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: ان کے والد قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو المصطلق کے سردار تھے۔ حضرت جویریہؓ بنو المصطلق کے قیدیوں میں لائی گئی تھیں اور حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑی تھیں۔ انہوں نے حضرت جویریہؓ سے مکاتبت کر لی یعنی ایک مقررہ رقم کے عوض آزاد کر دینے کا معاملہ طے کر لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا فرما دی اور ان سے شادی کر لی۔ یہ شعبان ۵ھ یا ۶ھ کا واقعہ ہے۔

۹- ام حبیبہ رملہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہا: یہ عبیداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور اس کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئی تھیں لیکن عبیداللہ نے وہاں جانے کے بعد مرتد ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور پھر وہیں انتقال کر گیا لیکن ام حبیبہؓ اپنے دین اور اپنی ہجرت پر قائم رہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے محرم ۷ھ میں عَمرو بن اُمیہ ضمری کو اپنا خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی کو یہ پیغام بھی دیا کہ اُمِّ حبیبہؓ سے آپ کا نکاح کر دے۔ اس نے اُمِّ حبیبہؓ کی منظوری کے بعد ان سے آپ ﷺ

کا نکاح کر دیا اور شُرحبیلؓ بن حسنہ کے ساتھ انہیں آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔

۱۰-حضرت صفیہ بنت حُیَی بن اَخطب رضی اللہ عنہا: یہ بنی اسرائیل سے تھیں اور خیبر میں قید کی گئیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمالیا اور آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر ۷ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔

۱۱-حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: یہ ام الفضل لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان سے رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۂ قضاء سے فارغ ہونے اور صحیح قول کے مطابق احرام سے حلال ہونے - کے بعد شادی کی۔

یہ گیارہ بیویاں ہوئیں جو رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اور آپ ﷺ کی صحبت و رفاقت میں رہیں۔ ان میں سے دو بیویاں یعنی حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ اُم المساکین کی وفات آپ ﷺ کی زندگی ہی میں ہوئی اور نو بیویاں آپ ﷺ کی وفات کے بعد حیات رہیں۔ ان کے علاوہ دو اور خواتین جو آپ ﷺ کے پاس رخصت نہیں کی گئیں ان میں سے ایک قبیلہ بنو کلاب سے تعلق رکھتی تھیں اور ایک قبیلہ کندہ سے۔ یہی قبیلہ کندہ والی خاتون جونیہ کی نسبت سے معروف ہیں۔ ان کا آپ ﷺ سے عقد ہوا تھا یا نہیں اور ان کا نام و نسب کیا تھا اس بارے میں اہل سیر کے درمیان بڑے اختلافات ہیں جن کی تفصیل کی ہم کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

جہاں تک لونڈیوں کا معاملہ ہے تو مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو لونڈیوں کو اپنے پاس رکھا: ایک ماریہ قبطیہ کو جنہیں مقوقس فرمانروائے مصر نے بطور ہدیہ بھیجا تھا ان کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں ۲۸/ ۲۹/ شوال ۱۰ھ مطابق ۲۷/ جنوری ۶۳۲ء کو مدینہ کے اندر انتقال کر گئے۔

دوسری لونڈی ریحانہؓ بنت زید تھیں۔ جو یہود کے قبیلہ بنی نضیر یا بنی قُریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا تھا اور وہ آپ ﷺ کی لونڈی تھیں۔ ان کے بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے بحیثیت لونڈی نہیں رکھا تھا بلکہ آزاد کر کے شادی کر لی تھی لیکن ابنِ قیم کی نظر میں پہلا قول راجح ہے۔ ابوعبیدہ نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ مزید دو لونڈیوں کا ذکر کیا جس میں سے ایک کا نام جمیلہؓ بتایا جاتا ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور دوسری کوئی اور لونڈی تھیں جنہیں حضرت زینبؓ بنت جحش نے آپ کو ہبہ کیا تھا۔ [۱]

یہاں ٹھہر کر رسول اللہ کی حیات مبارکہ کے ایک پہلو پر ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی جوانی کے نہایت پر قوت اور عمدہ ایام یعنی تقریباً تیس برس صرف ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہوئے گزار دیئے اور وہ بھی ایسی بیوی پر جو تقریباً بڑھیا تھی یعنی پہلے حضرت خدیجہؓ پر اور پھر حضرت سودہؓ پر۔ تو کیا یہ تصور کسی بھی درجے میں معقول ہو سکتا ہے کہ اس طرح اتنا عرصہ گزار دینے کے بعد جب آپ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئے تو آپ ﷺ کے اندر یکا یک جنسی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ

[۱] دیکھئے زادالمعاد: ۱/ ۲۹

آپ ﷺ کو پے در پے نو شادیاں کرنی پڑیں۔ جی نہیں! آپ ﷺ کی زندگی کے ان دونوں حصوں پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی ہوشمند آدمی اس تصور کو معقول تسلیم نہیں کرسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اتنی بہت ساری شادیاں کچھ دوسرے ہی اغراض ومقاصد کے تحت کی تھیں جو عام شادیوں کے مقررہ مقصد سے بہت ہی زیادہ عظیم القدر اور جلیل المرتبہ تھے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے شادی کر کے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رشتۂ مصاہرت قائم کیا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پے در پے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ پھر حضرت ام کلثومؓ کی شادی کر کے اور حضرت علیؓ سے اپنی لخت جگہ حضرت فاطمہ کی شادی کر کے جو رشتہائے مصاہرت قائم کیے ان کا مقصود یہ تھا کہ آپ ﷺ ان چاروں بزرگوں سے اپنے تعلقات نہایت پختہ کرلیں۔ کیونکہ یہ چاروں بزرگ پیچیدہ ترین مراحل میں اسلام کے لیے فداکاری وجاں سپاری کا جو امتیازی وصف رکھتے تھے وہ معروف ہے۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ رشتۂ مصاہرت کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا ایک اہم باب تھا اور داماد سے جنگ لڑنا اور محاذ آرائی کرنا بڑے شرم اور عار کی بات تھی۔ اس دستور کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے چند شادیاں اس مقصد سے کیں کہ مختلف افراد اور قبائل کی اسلام دشمنی کا زور توڑ دیں اور ان کے بغض و نفرت کی چنگاری بجھا دیں۔ چنانچہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا قبیلۂ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں جو ابوجہل اور خالد بن ولید کا قبیلہ تھا۔ جب نبی ﷺ نے ان سے شادی کرلی تو خالد بن ولید میں وہ سختی نہ رہی جس کا مظاہرہ وہ اُحد میں کر چکے تھے، بلکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے اپنی مرضی خوشی اور خواہش سے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے ابوسفیان کی صاحبزادی حضرت ام حبیبہؓ سے شادی کرلی تو پھر ابوسفیان آپ کے مدّ مقابل نہ آیا اور جب حضرت جُویریہؓ اور حضرت صفیہؓ آپ کی زوجیت میں آگئیں تو قبیلہ بنی المصطلق اور قبیلہ بنی نضیر نے محاذ آرائی چھوڑ دی۔ حضور کے عقد میں ان دونوں بیویوں کے آنے کے بعد تاریخ میں ان کے قبیلوں کی کسی شورش اور جنگی تگ ودو کا سراغ نہیں ملتا، بلکہ حضرت جویریہؓ یہ تو اپنی قوم کے لیے ساری عورتوں سے زیادہ بابرکت ثابت ہوئیں، کیوں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کرلی تو صحابہ کرامؓ نے ان کے ایک سو گھرانوں کو جو قید میں تھے آزاد کردیا اور کہا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی ہیں۔ ان کے دلوں پر اس احسان کا جو زبردست اثر ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے۔

ان سب سے بڑی اور عظیم بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غیر مہذب قوم کو تربیت دینے، اس کا تزکیۂ نفس کرنے اور تہذیب وتمدن سکھانے پر مامور تھے جو تہذیب وثقافت سے، تمدن کے لوازمات کی پابندی سے اور معاشرے کی تشکیل وتعمیر میں حصہ لینے کی ذمہ داریاں سے بالکل ناآشنا تھی، اور اسلامی معاشرے کی تشکیل جن اصولوں کی بنیاد پر کرنی تھی ان میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا عدم اختلاط کے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کی براہ راست تربیت نہیں کی جاسکتی تھی۔ حالانکہ ان کی تعلیم وتربیت کی ضرورت مردوں سے کچھ کم اہم اور ضروری نہ تھی، بلکہ کچھ زیادہ ہی

ضروری تھی۔

اس لیے نبی ﷺ کے پاس صرف یہی ایک سبیل رہ گئی تھی کہ آپ ﷺ مختلف عمر اور لیاقت کی اتنی عورتوں کو منتخب فرمالیں جو اس مقصد کے لیے کافی ہوں۔ پھر آپ ﷺ انہیں تعلیم و تربیت دیدیں، ان کا تزکیہ نفس فرمادیں، انہیں احکام شریعت سکھلادیں اور اسلامی تہذیب وثقافت سے اس طرح آراستہ کردیں کہ وہ دیہاتی اور شہری، بوڑھی اور جوان ہر طرح کی عورتوں کی تربیت کرسکیں اور انہیں مسائلِ شریعت سکھاسکیں اور اس طرح عورتوں میں تبلیغ کی مہم کے لیے کافی ہوسکیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے خانگی حالات کو امت تک پہنچانے کا سہرا زیادہ تر ان امہات المومنینؓ ہی کے سر ہے، ان میں بھی بالخصوص وہ امہات المومنینؓ جنہوں نے طویل عمر پائی۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے افعال واقوال خوب خوب روایت کیے ہیں۔

نبی ﷺ کا ایک نکاح ایک ایسی جاہلی رسم توڑنے کے لیے بھی عمل میں آیا تھا جو عرب معاشرہ میں پُشتہا پشت سے چلی آرہی تھی اور بڑی پختہ ہوچکی تھی۔ یہ رسم تھی کسی کو متبنیٰ بنانے کی۔ متبنیٰ کو جاہلی دور میں وہی حقوق اور حرمتیں حاصل تھیں جو حقیقی بیٹے کو ہوا کرتی ہیں۔ پھر یہ دستور اور اصول عرب معاشرے میں اس قدر جڑ پکڑ چکا تھا کہ اس کا مٹانا آسان نہ تھا۔ لیکن یہ اصول ان بنیادوں اور اصولوں سے نہایت سختی کے ساتھ ٹکراتا تھا جنہیں اسلام نے نکاح، طلاق، میراث اور دوسرے معاملات میں مقرر فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ جاہلیت کا یہ اصول اپنے دامن میں بہت سے ایسے مفاسد اور فواحش بھی لیے ہوئے تھا جن سے معاشرے کو پاک کرنا اسلام کے اولین مقاصد میں سے تھا۔ لہذا اس جاہلی اصول کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت زینبؓ بنت جحش سے فرمادی۔ حضرت زینبؓ کے عقد میں تھیں، جو رسول اللہ ﷺ کے متبنی (منہ بولے بیٹے) تھے مگر دونوں میں نباہ مشکل ہوگیا اور حضرت زیدؓ نے طلاق دینے کا ارادہ کرلیا۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام کفار رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاذ آرا تھے اور جنگِ خندق کے لیے جمع ہونے کی تیاری کررہے تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متبنی بنانے کی رسم کے خاتمے کے اشارات مل چکے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بجا طور پر یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر ان ہی حالات میں حضرت زیدؓ نے طلاق دیدی اور پھر آپ ﷺ کو حضرت زینبؓ سے شادی کرنی پڑی تو منافقین، مشرکین، اور یہود بات کا بتنگڑ بنا کر آپ کے خلاف سخت پروپیگنڈہ کریں گے اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کرکے ان پر برے اثرات ڈالیں گے اس لیے آپ ﷺ کی کوشش تھی کہ حضرت زیدؓ طلاق نہ دیں تاکہ اس کی سرے سے نوبت ہی نہ آئے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے آپ ﷺ کو (محبت آمیز) تنبیہ کی چنانچہ ارشاد ہوا: ﴿و اذ تقول للذی انعم الله علیه و انعمت علیه امسك علیك زوجك واتق الله و تخفی فی نفسك ما الله مبدیه و تخشی الناس والله احق ان تخشه﴾ [۳۳:۳۷]

''اور جب آپ ﷺ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے، اور آپ ﷺ نے انعام کیا ہے (یعنی

حضرت زیدؓ سے) کہ تم اپنے اوپر اپنی بیوی کو روک رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اور آپ ﷺ اپنے نفس میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا؛ اور آپ ﷺ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ مستحق تھا کہ آپ ﷺ اس سے ڈرتے۔''

بالآخر حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے ہی دی۔ پھر ان کی عدت گذر گئی تو ان سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کا فیصلہ نازل ہوا اللہ نے آپ ﷺ پر نکاح لازم کر دیا تھا اور کوئی اختیار اور گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ اس سلسلے میں نازل ہونے والی آیت کریمہ یہ ہے: ﴿ فلما قضى زيد منها وطرا زوجنكها لكى لا يكون على المؤمنين حرج فى ازواج ادعياء هم إذا قضوا منهن وطرا﴾ [۳۳:۳۷]

''جب زیدؓ نے اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی تو ہم نے اس کی شادی آپ ﷺ سے کر دی تا کہ مومنین پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں پہ کوئی حرج نہ رہ جائے جب کہ وہ منہ بولے بیٹے ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں۔''

اس کا مقصد یہ تھا کہ منہ بولے بیٹوں سے متعلق جاہلی اصول عملاً بھی توڑ دیا جائے، جس طرح اس سے پہلے اس ارشاد کے ذریعہ قولاً توڑا جا چکا تھا: ﴿ادعوهم لآباء هم هو اقسط عندالله﴾ [۳۳:۵] ''انہیں ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔'' ﴿ماكان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبين﴾ [۳۳:۴۰] ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جب معاشرے میں کوئی رواج اچھی طرح جڑ پکڑ لیتا ہے تو محض بات کے ذریعے اسے مٹانا یا اس میں تبدیلی لانا بیشتر اوقات ممکن نہیں ہوا کرتا؛ بلکہ جو شخص اس کے خاتمے یا تبدیلی کا داعی ہو اس کا عملی نمونہ موجود رہنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی طرف سے جس حرکت کا ظہور ہوا اس سے اس حقیقت کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔ اس موقع پر کہاں تو مسلمانوں کی فداکاری کا یہ عالم تھا کہ جب عروہؓ بن مسعود ثقفی نے انہیں دیکھا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا تھوک اور کھنکار بھی ان میں سے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ ہی میں پڑ رہا ہے، اور جب آپ ﷺ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرام آپ ﷺ کے وضو سے گرنے والا پانی لینے کے لیے اس طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں اُلجھ پڑیں گے۔ جی ہاں! یہ وہی صحابہ کرامؓ تھے جو درخت کے نیچے موت یا عدمِ فرار پر بیعت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے تھے اور یہ وہی صحابہ کرامؓ تھے جن میں ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے جاں نثارانِ رسول بھی تھے۔ لیکن انہی صحابہ کرام کو- جو آپ ﷺ پر مر مٹنا اپنی انتہائی سعادت و کامیابی سمجھتے تھے۔

جب آپ ﷺ نے صلح کا معاہدہ طے کر لینے کے بعد حکم دیا کہ اٹھ کر اپنی ہدی (قربانی کے جانور) ذبح کر دیں تو آپ ﷺ کے حکم کی بجا آوری کے لیے کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آپ قلق و اضطراب سے دوچار ہو گئے۔ لیکن جب

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ ﷺ اٹھ کر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیں، اور آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تو ہر شخص آپ ﷺ کے طرز عمل کی پیروی کے لیے دوڑ پڑا اور تمام صحابہؓ نے لپک لپک کر اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی پختہ رواج کو مٹانے کے لیے قول اور عمل کے اثرات میں کتنا زیادہ فرق ہے۔ اس لیے متبنّی کا جاہلی اصول عملی طور پر توڑنے کے لیے آپ ﷺ کا نکاح آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ سے کرایا گیا۔

اس نکاح کا عمل میں آنا تھا کہ منافقین نے آپ ﷺ کے خلاف نہایت وسیع پیمانے پر جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اور طرح طرح کے وسوسے اور افواہیں پھیلائیں جس کے کچھ نہ کچھ اثرات سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑے۔ اس پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے کے لیے ایک شرعی پہلو بھی منافقین کے ہاتھ آ گیا تھا کہ حضرت زینبؓ آپ کی پانچویں بیوی تھیں جب کہ مسلمان بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ کی حلت جانتے ہی نہ تھے۔ ان سب کے علاوہ پروپیگنڈہ کی اصل جان یہ تھی حضرت، رسول اللہ ﷺ کے بیٹے سمجھے جاتے تھے اور بیٹے کی بیوی سے شادی بڑی فحش کاری خیال کی جاتی تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اس اہم موضوع سے متعلق کافی وشافی آیات نازل کیں اور صحابہؓ کو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں منہ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہایت بلند پایہ اور مخصوص مقاصد کے تحت اپنے رسول ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ شادی کی تعداد کے سلسلے میں اتنی وسعت دی ہے جو کسی اور کو نہیں دی گئی ہے۔

امہات المومنینؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رہائش نہایت شریفانہ، باعزت، بلند پایہ اور عمدہ انداز کی تھی۔ ازواجؓ مطہرات بھی، شرف، قناعت، صبر، تواضع، خدمت اور ازدواجی حقوق کی نگہداشت کا مرقع تھیں۔ حالانکہ آپ ﷺ بڑی روکھی پھیکی اور سخت زندگی گذار رہے تھے جسے برداشت کر لینا دوسروں کے بس کی بات نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی میدے کی نرم روٹی کھائی ہو یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے اور نہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے کبھی بھُنی ہوئی بکری دیکھی [۱] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ دو دو ماہ گذر جاتے، تیسرے مہینے کا چاند نظر آ جاتا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آگ نہ جلتی۔ حضرت عروہ نے دریافت کیا کہ تب آپ ﷺ لوگ کیا کھاتی تھیں۔ فرمایا کہ بس دو کالی چیزیں۔ یعنی کھجور اور پانی [۲] اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں۔

اس تنگی وترشی کے باوجود ازواج مطہرات سے کوئی لائقِ عتاب حرکت صادر نہ ہوئی۔ صرف ایک دفعہ ایسا ہوا اور وہ بھی اس لیے کہ ایک تو انسانی فطرت کا تقاضا ہی کچھ ایسا ہے دوسرے اسی بنیاد پر کچھ احکامات مشروع کرنے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر آیت تخییر نازل فرمائی جو یہ تھی: ﴿یاأیها النبی قل لأزواجك ان كنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین أمتعكن وأسرحكن سراحا جمیلا۔ و ان كنتن تردن الله ورسوله والدار الآخرة فان الله أعد الله للمحسنات من كن أجرا عظیما﴾ [۳۳:۲۸–۲۹]

''اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں ساز وسامان دے کر

[۱] صحیح بخاری: ۲/۹۵۶ [۲] ایضاً

بھلائی کے ساتھ رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے زبردست اجر تیار کر رکھا ہے۔''

اب ان ازواجِ مطہراتؓ کے شرف اور عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ان سب نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ترجیح دی اور ان میں سے کوئی ایک بھی دنیا کی طرف مائل نہ ہوئی۔

اسی طرح سوکنوں کے درمیان جو واقعات روزمرہ کا معمول ہوا کرتے ہیں، ازواجِ مطہراتؓ کے درمیان کثرت تعداد کے باوجود اس طرح کے واقعات شاذ و نادر ہی پیش آئے اور وہ بھی بتقاضائے بشریت، اور اس پر بھی جب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تو دوبارہ اس طرح کی کسی حرکت کا ظہور نہیں ہوا۔ سورہ تحریم کی ابتدائی پانچ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

اخیر میں یہ عرض کردینا بھی بیجا نہ ہوگا کہ ہم اس موقع پر تعدد ازدواج کے موضوع پر بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے، کیونکہ جو لوگ اس موضوع پر سب سے زیادہ لے دے کرتے ہیں یعنی باشندگانِ یورپ وہ خود جس طرح کی زندگی گذار رہے ہیں؛ جس تلخی و بدبختی کا جام نوش کر رہے ہیں۔ جس طرح کی رسوائیوں اور جرائم میں لت پت ہیں اور تعدد ازدواج کے اصول سے منحرف ہوکر جس قسم کے رنج والم اور مصائب کا سامنا کر رہے ہیں وہ ہر طرح کی بحث وجدل سے مستغنی کردینے کے لیے کافی ہے۔ اہل یورپ کی بدبختانہ زندگی تعدد ازدواج کے اصول کے مبنی برحق ہونے کی سب سے سچی گواہ ہے اور اصحابِ نظر کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔☆☆ (الرحیق المختوم)

(بقیہ درس قرآن)

ابوحفص عمر بن احمد بن شاہین (۳۸۵ھ) ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی (۳۸۸ھ)
ابوبکر محمد بن عبداللہ الجورقی (۳۸۸ھ) ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ (۳۹۵ھ)
ابراہیم بن محمد بن عبیداللہ مشقی (۴۰۰ھ) خلف بن محمد الواسطی (۴۰۱ھ)
ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری المعروف بابن البیع (۴۰۵ھ)

اس دور کے محدثین کرام نے ان کاموں کی تکمیل کی کوشش کی جن کو تیسری صدی ہجری تک کے ائمہ حدیث نے کیا تھا اور جزوی وکلی طور پر اس عمل کو آگے بڑھایا ان میں ابوبکر ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) وابوعلی بن سکن (۳۵۳ھ) وابوحاتم محمد بن حبان البستی (۳۵۴ھ) کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان محدثین نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے طرز پر صحیح حدیثوں کو جمع کرنے کی کوشش کی، اگرچہ صحت کا پیمانہ وہ نہ رہا جو صحیحین کا ہے، پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ صحیحین کے بعد اگر کسی نے صحیح حدیثوں کو جمع کیا ان میں صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کے نام آتے ہیں۔ (جاری)

اسلامی معاشرہ اور سماجی اصلاحات

پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی/علیگڑھ

اسلامی معاشرہ کی بنیادیں:

اسلام نے جو معاشرہ اور سماج پہلے مدینہ منورہ میں اور پھر پورے عرب میں قائم کیا وہ اخوت ومساوات اور عدل وانصاف کی بنیادوں پر قائم کیا تھا۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی محبت وخشیت اس کی بنیاد تھی اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کی مساوات و برابری اور تیسری طرف تمام انسانوں کی فلاح و بہبود۔

اسلامی سماج بنیادی طور پر عربوں کے قبائلی نظام پر صرف شکل وصورت کی حد تک قائم رہا۔ قرآن مجید کے حکم کے مطابق قبیلہ، گروہ، خاندان اور علاقہ وغیرہ صرف تعارف وشناخت کے نشان تھے۔ ورنہ عام تقسیم کے لحاظ سے دو قسمیں تھیں: مسلم اور غیر مسلم۔ عہدِ نبوی میں علاقائی اور قبائلی تعصّبات کو ختم کر دیا گیا۔ اسی بنا پر تمام مسلمان بھائی بھائی تھے خواہ وہ کسی گروہ، قبیلہ یا علاقہ کے ہوں۔ صرف وہ امتیازات باقی رہ گئے تھے جو شناخت کے لیے ضروری اور اسلامی روح کے مطابق تھے۔

البتہ کبھی کبھی قبائلی عصبیت یا گروہی تعصب بھڑک اٹھتا تھا جسے آپ ﷺ اپنے حسن تدبیر سے دبا دیتے یا ختم کر دیتے تھے۔ یہ وہ صالح معاشرہ تھا جس میں نیکی بدی پر، اچھائی برائی پر اور خیر شر پر غالب ہو گیا تھا۔ وہاں گناہ اور جرم ہوتے تھے مگر کبھی کبھی کہ وہ سب انسان بھی تھے اور انسان غلطی اور گناہ کا پُتلا ہے۔ مگر اسلام نے یہ معاشرتی اصلاح کی تھی کہ گناہگار اور مجرم خود شرمندہ ہوتے، توبہ کرتے اور خوشی سے اپنی سزا اپناتے تھے تاکہ پاک وصاف ہو جائیں۔

اسلامی سماج کے طبقات:

مہاجرین وانصار:

مدینہ میں اسلامی سماج دو بڑے طبقات پر مشتمل تھا: مہاجرین اور انصار: مہاجرین میں زیادہ تر لوگ قریش کے خاندانوں کے افراد یا ان کے طبقات تھے اور کچھ قریبی اور دور کے قبیلوں کے لوگ بھی تھے۔ لیکن وہ سب ایک طبقۂ مہاجرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ صلحِ حدیبیہ تک ان کی تعداد اچھی خاصی ہونے کے باوجود زیادہ نہ تھی لیکن اس کے بعد ان کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی اور آٹھ سے دس ہزار تک جا پہونچی۔ انصار میں قبیلۂ خزرج کی تعداد زیادہ تھی اور قبیلۂ اوس کی ان سے کم۔ یہ دونوں مل کر انصار کہلاتے تھے۔ مدینہ کی آبادی تیس ہزار سے زائد تھی۔

بدوی قبائل:

مدینہ منورہ کے اصل طبقات کے علاوہ قرب وجوار کے قبیلوں کے لوگ بھی وہاں آ کر بس گئے تھے۔ ان میں اسلم، غفار، مدلج، ضمرہ، مزینہ اور جہینہ اور شمال وجنوب کے بعض اور قبیلوں کے لوگ بھی تھے، جیسے ازد، شنوءہ وغیرہ مگر ان کی تعداد کافی کم تھی۔

مراتب:

بحیثیت مسلم ان میں سے ہر فرد وطبقہ کو یکساں حقوق حاصل تھے۔ لیکن اسلام کی خدمات اور اسلام قبول کرنے کے لحاظ سے ان کے دینی مرتبہ اور سماجی مقام میں فرق تھا۔ پہلے اسلام لانے والے مہاجرین کو سابقینِ اولین کہا جاتا تھا اور وہ سب سے افضل تھے۔

ہجرتِ نبوی کے بعد غزوۂ بدر تک عام مہاجر و انصار مسلمانوں کا مقام سابقین اولین کے بعد تھا۔ پھر سب سے افضل بدری صحابہ تھے۔ جنہوں نے جنگِ بدر میں حصہ لیا تھا۔ اُن کے بعد وہ صحابہ کرام تھے جو صلحِ حدیبیہ یا فتح مکہ تک اسلام لائے تھے اور فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے آخری درجہ میں تھے۔

بڑی عمر کے لوگوں کو بچوں پر فوقیت حاصل تھی۔ عورتوں کو مردوں کی مانند یکساں مقام و مرتبہ حاصل تھا بلکہ ازواجِ مطہرات کو رسول اکرم ﷺ کے بعد خاص مقام و مرتبہ دیا جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مائیں تھیں اور ان کے برابر کوئی نہ تھا۔ (سورۂ احزاب ۶ اور ۵۳)

دوسرے شہروں، قصبوں، گاؤں اور صحراؤں کے مسلمانوں کو ان کے زمانۂ قبولِ اسلام، اسلام کے لیے ان کی خدمات اور علوم و فنون میں امتیاز کے مطابق سماجی و دینی مقام دیا جاتا تھا۔

منافقین:

مدینہ منورہ میں ہجرتِ نبوی کے کچھ مدت بعد ہی منافقین کا طبقہ بھی وجود میں آیا جو دل سے کافر اور بظاہر مسلمان تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول خزرجی تھا۔ آپ کے آنے سے قبل وہ مدینہ کا بادشاہ بننے والا تھا مگر اس کی تمنا پوری نہ ہوئی، لہذا وہ اور اس کے کچھ ساتھی نفرت و حسد اور دنیاوی فائدوں کے لیے اسلام کے مخالف بن گئے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ بالآخر ۹ھ بمطابق ۶۳۱ء میں غزوۂ تبوک کے بعد ان کی طاقت بالکل ختم ہوگئی۔

غیر مسلم طبقات:

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے علاوہ کچھ غیر مسلم طبقات تھے۔ جن میں سب سے بڑی تعداد یہود کی تھی۔ عیسائی وغیرہ بہت کم بلکہ چند افراد ہی تھے۔ یہودیوں کے تقریباً دو درجن قبیلے تھے جن میں سے تین - بنوقینقاع، بنوالنضیر اور بنوقریظہ - اسلام کی مخالفت اور اسلامی ریاست سے غداری کرنے کے سبب زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کی تعداد بھی کئی ہزار تھی اور دولت و طاقت کے حساب سے بھی وہ ممتاز تھے۔ عیسائی اور پارسی وغیرہ دو چار تھے اور زیادہ تر غلام و مزدور۔ جب کہ یہودی تاجر، زراعت پیشہ اور حرفت والے تھے۔ وہ سب کے سب اسلامی ریاست کے ذمہ یا اہل الذمہ تھے۔

اقتصادی طبقات:

پیشہ کے اعتبار سے مسلم آبادی چار طبقوں میں بٹی ہوئی تھی:

۱- تاجر مہاجرین میں اکثر مقامی اور بین الاقوامی تجارت میں شریک تاجر تھے۔ اور شام و یمن وغیرہ متعدد علاقوں اور ملکوں سے تجارت کرتے تھے۔ مہاجرین میں سے مالدار لوگوں نے زرعی جائدادیں بھی بنالی تھیں۔ خاص کر خیبر کی فتح کے بعد بہت سے لوگوں کے پاس کھیت، باغات اور مکانات ہوگئے تھے۔

۲- انصار میں سے زیادہ تر لوگ زراعت پیشہ تھے اور مدینہ میں اور اس کے اردگرد ان کے کھجوروں اور پھلوں کے باغات اور اناج میں جو، گیہوں اور سبزی وغیرہ کے کھیت تھے۔ ان میں کافی لوگ تجارت بھی کرتے تھے لیکن وہ زیادہ تر مقامی تجارت میں مصروف رہتے تھے۔

۳- مسلمانوں کے دونوں طبقات کی اکثریت اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھی وہ یا تو چھوٹے چھوٹے دستکار یا حرفہ والے تھے جیسے لوہار، بڑھئی، سنار، چمڑے کا کام کرنے والے وغیرہ۔

یا

۴-مزدور تھے اور کھیتوں اور باغوں میں اجرت پر کام کرتے تھے۔ان میں سے بہت سے لوگ خوشحال اور مالدار طبقات کے گھروں میں خانگی نوکروں کا کام کرتے تھے یا چرواہے وغیرہ تھے۔

عجمی طبقات:

عہدِ نبوی میں مسلمانوں کی غالب اکثریت عربوں پر مشتمل تھی۔لیکن کچھ عرب اور عجمی موالی بھی رہتے تھے۔یعنی وہ عجمی لوگ یا عرب قبیلوں کے افراد جو اپنے علاقوں اور خاندانوں کو غلامی وغیرہ کے اسباب کی بنا پر چھوڑ کر مدینہ یا دوسرے علاقوں میں بس گئے تھے۔ عجمی موالی میں حضرت بلال حبشی اور حضرت سلمان فارسی بہت اہم افراد تھے۔اسی طرح بہت سے عرب موالی بھی تھے۔جیسے حضرت زید بن حارثہ کلبی وغیرہ۔موالی ہونے کے باوجود ان کو اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست میں یکساں سماجی، دینی، معاشی اور سیاسی حقوق حاصل تھے۔چوں کہ ان کی تعداد بہت کم تھی۔اس لیے ان کے عہدے اور مناصب نسبتاً کم ملے مگر ان میں سے جو صاحبِ لیاقت تھے ان کو عہدے بھی خوب ملے۔

اسلامی معاشرہ:

عہدِ نبوی کا اسلامی معاشرہ اسلامی اخوت و مساوات کے اصولوں اور عدل و انصاف کی بنیادوں پر قائم تھا۔اس میں لیاقت و صلاحیت اور تقویٰ کی بنیاد پر امتیاز ملتا تھا۔بحیثیت مجموعی وہ بہترین انسانی معاشرہ تھا جس میں شر پر خیر پوری طرح غالب تھا۔یہ آدرش معاشرہ تھا۔ایسا معاشرہ پھر کبھی وجود میں نہیں آیا اور نہ آسکتا ہے۔کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ کا تربیت یافتہ اصحابِ کرام کا معاشرہ تھا۔نہ اب نبی ہوں گے نہ ان کے اصحاب جیسا معاشرہ ہوگا۔

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات یہ تھیں:

۱-وہ قرآن وحدیث کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔

۲-انسانی جذبات وخیالات اللہ ورسول کے احکام کے تابع تھے۔

۳-ان میں اتحاد، یگانگت، خیر سگالی، محبت اور ایثار بے پناہ تھا۔

۴-وہ اسلام اور اسلامی ریاست کے لیے سب کچھ تج دیتے تھے۔

۵-تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کے سبب شر کم تھا۔

۶-اگر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تو فوراً اس کی اصلاح کر لیتے۔

۷-وہ مجموعی خیر پر مبنی معاشرہ تھا۔

سماجی اصلاحات:

سماجی تحفظ کا نظام:

اسلامی نظامِ معاشرت نے تمام انسانوں کی جان و مال اور آبرو کے تحفظ کا نظام قبائلی روایات اور اسلامی قوانین کی بنیاد پر قائم کیا۔ پہلے کسی کی جان محفوظ تھی نہ مال اور نہ آبرو۔قصاص اور دیت کے اصولوں کے ذریعہ افراد کو بھی اور پورے طبقات کو بھی یہ تحفظ فراہم کیا گیا۔ قتل کی سزا قتل یا خون بہا کے طور پر ۱۰۰/ اونٹ کی رقم مقرر کی گئی اور ہر قبیلہ کو پابند کیا گیا کہ وہ قاتل و مجرم کی حرکتوں کا ذمہ دار

ہوگا اور دیت وقصاص کے نفاذ کا بھی ذمہ دار ہوگا۔ وہ مجرم کو پناہ نہ دے گا بلکہ اس کو پکڑ کر سزا دلوائے گا۔

اسی طرح چوری، ڈکیتی، وغیرہ دوسرے جرموں کی سزا مقرر کی گئی۔ بدکاری کی سزا موت یا سو کوڑے طے کی گئی۔ نیک لوگوں پر جھوٹی تہمت لگانے اور دوسروں کی آبرو سے کھیلنے کی سزا اسی کوڑے تھی۔ شراب نوشی کی سزا بھی چالیس یا اسّی کوڑے اور قید و بند مقرر کی گئی۔

قوانین اور سزاؤں سے زیادہ لوگوں کے اخلاق کو سنوارا گیا اور ان میں فسق و فجور اور گناہ و سرکشی سے نفرت اور ایمان و اخلاق سے محبت پیدا کی گئی۔ ان دونوں نے مل کر پورے معاشرے کو محفوظ و مامون بنا دیا۔

اس کے نتیجے میں قتل، چوری، ڈکیتی، بدکاری، شراب نوشی اور جوابازی جیسے بہت سے جرائم ختم ہو گئے، جنگوں کا سلسلہ جو انتقام در انتقام کا چکر تھا ختم ہوا اور امن وامان - بے مثل امن وامان - کا دور دورہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی کہ اکیلی عورت سونا اچھالتی ایک کونے سے دوسرے کونے تک جائے گی اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا خوف نہ ہوگا۔

نکاح وطلاق کی اہمیت:

عربوں میں رواج تھا کہ مرد بہت سی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے۔ (Polygamy) ان کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اسی طرح عورتیں بھی بیک وقت کئی کئی مردوں کے نکاح میں رہتی تھیں (Polyandry) اگر چہ ایسا کم تھا۔ نکاح میں رشتوں کا احترام بھی نہیں رکھا جاتا تھا۔ سوتیلی ماں تک سے شادی کر لی جاتی تھی۔ اسلام نے ان سب خرابیوں کی اصلاح کی۔

نکاح:

نکاح کے متعلق اسلام نے اصول بنایا کہ اگر آدمی کو ضرورت ہے تو عدل کے ساتھ وہ زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ عدل سے کام نہ لے سکے تو صرف ایک عورت سے شادی کرے۔ نکاح کے لیے مہر کی رقم اور بیوی کا نان نفقہ یعنی کھانا کپڑا اور مکان ضروری حق قرار دیا۔ اسی طرح بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک بھی ضروری بتایا اور بیویوں پر شوہروں کے حقوق بھی واضح کیے۔

دوسری پابندی یہ لگائی کہ بعض رشتوں کو حرام کر دیا چنانچہ ماں، خالہ، دادی، نانی، بہن، بیٹی، بھانجی، بھتیجی، پھوپھی، رضاعی ماں اور ساس اور ان جیسے دوسرے رشتوں اور بہو وغیرہ سے شادی حرام قرار دی۔ دو بہنوں کو بیک وقت رکھنے کی بھی ممانعت کر دی۔ کئی مردوں سے ایک عورت کا نکاح ایک وقت میں قطعی حرام کر دیا کہ وہ ایک وقت میں صرف ایک مرد کی بیوی بن سکتی ہے۔ اس طرح کافر و مشرک عورتوں اور مردوں سے شادی حرام قرار دی۔ مسلمان مردوں کو البتہ اجازت دی کہ وہ اہلِ کتاب عورتوں میں سے نیک و پاکدامن بیویوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ (سورہ نساء: ۲۴-۲۲، سورۃ ممتحنۃ: ۱۰) وغیرہ۔

طلاق:

اگر چہ طلاق دینے کا حق اسلام نے مردوں یعنی شوہروں کو دیا ہے تاہم اس کو حلال چیزوں میں سے سب سے ناپسندیدہ بھی قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ صرف اللہ کے حدود قائم نہ رہنے کی صورت میں طلاق کی اجازت دی ہے۔ اور وہ بھی صرف دو طلاقوں کی تاکہ اگر پچھتاوا ہو تو رجعت کر کے بیوی کو واپس لے لے۔

نکاح کا مقصد:

نکاح کا مقصد یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں پاکی کے ساتھ زندگی بسر کریں اور اس رشتہ کے بغیر کسی سے تعلقِ مباشرت نہ رکھیں

کہ انسانی معاشرہ گندگی سے پاک رہے اور انسانی نسل میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہے جس طرح اسلام نے انسان کی بھوک پیاس اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے جائز و پسندیدہ طریقے بتائے ہیں اسی طرح اس کی جنسی خواہش کی صحیح اور پاکیزہ تکمیل کا ذریعہ نکاح کے ذریعہ نکالا ہے۔

حدِّ زنا:

لیکن اگر انسان اسلامی شریعت کی مقرر کردہ حدوں کو پھلانگ کر اپنی جنسی خواہش پوری کرنی چاہے تو اس کو بدکاری اور زنا قرار دے کر اس کو گناہِ کبیرہ بتایا ہے اور اس کے مرتکب کے لیے سزا مقرر کی ہے۔

اگر غیر شادی شدہ شخص یہ حرکت کرے تو اس پر سو کوڑوں کی سزا عائد کی جائے گی۔ اگر شادی شدہ مرد یا عورت اپنی پسند و ارادہ سے زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو رجم یا سنگسار (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دیا جائے کیوں کہ دو شخصوں کی زندگی سے پورا معاشرہ گندا ہو جاتا ہے اور دوسروں کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ اگر زنا کار کا جرم چھپ جائے اور وہ نادم ہو کر توبہ کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے۔

احساس گناہ:

رسولِ اکرم ﷺ نے جو معاشرہ تعمیر کیا تھا اس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ اکثر لوگ گناہ سے بچتے تھے لیکن اگر ان میں سے کسی سے زنا کا جرم جذبات کے غلبہ سے ہو جاتا تھا تو وہ اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی سزا بھگتتے تھے۔ حضرت ماعز اور ایک صحابیہ غامدیہ سے یہ جرم سرزد ہوا تو دونوں نے الگ الگ آ کر آپ کی مجلس میں اپنے خلاف گواہی دی اور اپنی جان دے کر پاکی حاصل کر لی۔ آپ نے ان کے پاک ہونے کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ انھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ والوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت ہو جائے۔

جوا (قمار بازی):

دوسری سماجی خرابیوں کی اصلاحات میں جوئے کی ہر قسم کو حرام قرار دیا کہ اس میں ایک کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان ہے۔ کیوں کہ جوا فریب پر مبنی ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ فریب اور دھوکہ دہی کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔

شراب نوشی:

اسی طرح شراب نوشی حرام قرار دی گئی، وہ مدت سے عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی اور یک لخت اس کا چھوڑنا مشکل تھا۔ لہذا پہلے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔ لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو پھر شراب کی تجارت حرام کی گئی۔ لوگوں نے اس پر بھی عمل کیا اور آخر میں شراب پینے کے قطعی حرام ہونے کا حکم آیا تو سب مسلمانوں نے ایک دم چھوڑی۔ روایت ہے کہ مدینہ میں اس دن اتنے شراب کے مٹکے توڑے گئے اور اتنی شراب بہائی گئی کہ گلیوں اور سڑکوں پر کیچڑ ہو گئی۔

شرب کے قطعی حرام قرار دینے کے بعد اسلامی شریعت نے قانون بنایا کہ اگر اب کوئی جان کر شراب پیئے تو اس کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ عہدِ نبوی میں اس سزا کی حد نہ تھی۔ اسّی یا چالیس کوڑوں اور جوتوں چپل سے مرمت کرنے کی روایات آتی ہیں۔ بعد میں اسّی کوڑے کی سزا مقرر ہو گئی۔

چوری اور ڈکیتی:

چوری کی سزا زیادہ سے زیادہ ہاتھ کاٹنا مقرر ہوئی۔ کم سے کم تنبیہ، قید یا جلاوطنی تھی۔ دراصل سزا مالیت پر منحصر تھی۔ عہدِ نبوی میں

چوری کے صرف اکا دکا واقعات ہوئے۔ اسی طرح ڈکیتی کی سزا موت مقرر کی گئی۔ اس کے بھی دو چار واقعات مذکور ہوئے ہیں۔ ورنہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں خاص کر اور دوسروں میں بھی وہ بلند اخلاق پیدا کر دیئے تھے کہ وہ ان کو گناہوں سے دور رہتے تھے۔

غلامی:

عربوں کے سماجی ڈھانچے میں غلامی کی قبیح لعنت موجود تھی۔ اسلام اس بُری چیز کو پسند نہیں کرتا اور نہ اجازت دیتا ہے لیکن وہ اس کو یک لخت ختم بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس سے عروں کا سماجی، اقتصادی اور فوجی نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اس لیے اس نے غلاموں کی ایک طرف تو حالت بہتر بنائی، ان کو حقوق دیئے اور ان کے فرائض مقرر کیے۔ دوسری طرف آہستہ آہستہ غلامی کا نظام ختم کرنے کے طریقے بتائے۔

بحیثیت مسلمان غلاموں کو برابر کے دینی حقوق دیئے۔ وہ مذہبی لحاظ سے آزادوں کے برابر تھے۔ جیسے ان کے فرائض ویسے ان کے حقوق۔ سماجی اور اقتصادی لحاظ سے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ان کے آقاؤں پر فرض قرار دیا۔ ان کو مالک کی حیثیت کے مطابق کھانے، کپڑے اور رہنے کی جگہ ضروری بتائی۔ ان کی تعلیم و تربیت بھی ضروری قرار دی۔ ان کے دکھ سکھ کا خیال فرض بتایا۔ ان کی آزادی کو سب سے بڑے اجر و ثواب کا کام قرار دیا۔

غلاموں کی آزادی کے لیے دینی فرائض میں بھی گنجائش نکالی۔ مثلاً روزہ توڑنے، ظہار کا جرم کرنے (بیوی سے الگ رہنے کی قسم توڑے)، قتل کرنے وغیرہ کا کفارہ یہ بتایا کہ مسلمان مجرم اگر صاحبِ غلام ہو تو غلام آزاد کرے۔ پھر غلاموں کو مکاتبت (رقم ادا کرنے) کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ مالک کی باندی کو جو بیوی کے مانند رہے ام الولد قرار دے کر مالک کی موت کے بعد از خود آزاد ہونے کا حق دیا۔

غرض یہ کہ ان کی آزادی کے اتنے طریقے نکالے اور ان کی آزادی کو اتنا بڑا کام بتایا کہ سب غلام آزاد ہو گئے اور جو غلام رہ گئے ان کی حالت اتنی بہتر کر دی کہ وہ اسلامی حکومت کے افسر بنے، عالم و محدث اور مفسر بنے۔ عہدِ نبوی کے غلاموں پر تو ہم آزاد رشک کر سکتے ہیں۔

مجبور طبقات کی بہتری:

سماج میں عورتوں خاص کر بیواؤں اور یتیم بچوں کی حالت بہتر بنائی۔ ان کو بہت سارے حقوق دیئے جو اسلام سے پہلے کے نظام نے غصب کر لیے تھے، ان کو سماجی عزت دی۔ اقتصادی آزادی دی۔ دینی اور مذہبی مساوات دی اور ضرورت بھر سیاسی اور فوجی حقوق بھی دیئے۔ چوں کہ ان کا دائرۂ کار الگ ہے، اس لیے ان کے دائرے میں ان کی عزت قائم کی۔ اسی طرح بیواؤں اور یتیموں کے حقوق مقرر کیے اور ان کا سماجی رتبہ بلند کیا۔

نظام وراثت:

اقتصادی نظام میں دو اہم اصلاحات کیں: اول وراثت کا نظام جاری کیا۔ پہلے مرنے والے کی ساری جائداد اس کا فرزند یا بھائی یا کوئی دوسرا مرد لے لیتا تھا اور دوسرے حقداروں کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ اسلام نے بیٹے کے ساتھ بیٹی، بیوی اور ماں باپ کا حصہ بھی مقرر کیا۔ عورتوں کو ان کے ہم پلہ مردوں کے مقابلے میں آدھا حصہ وراثت میں دیا گیا کہ عورت اپنے باپ کے علاوہ اپنے شوہر کی وراثت میں بھی حصہ پاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس پر کوئی اقتصادی بوجھ نہیں رکھا بلکہ شادی سے پہلے اس کے ماں باپ بھائی وغیرہ دوسرے ولی پر اس کی ذمہ داری عائد کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر پر۔ مرد اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پورا مالی بوجھ اٹھاتا ہے، اس لیے اسے

عورت کا دوگنا حصہ میراث میں دیا گیا۔ وراثت کے مقررہ حصے قرآن مجید کی سورۂ نساء کی ابتدائی آیات میں بیان کئے گئے ہیں۔

تجارتی اصلاحات:

اقتصادی اصلاحات میں اسلامی نظامِ تجارت وزراعت کی اصلاحات بھی آتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے تجارت کی وہ تمام قسمیں حرام قرار دیں جن میں کسی قسم کا دھوکہ یا فریب یا اس کا شائبہ بھی تھا اور جس کے سبب فریقین میں سے کسی ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان ہوتا تھا۔ ان میں سے ہم جنس چیزوں کی کمی بیشی کے ساتھ تجارت بھی شامل تھی مثلاً سونے کی سونے سے، چاندی کی چاندی سے، نقد رقم کی نقد رقم سے، گیہوں کی گیہوں سے یا اسی طرح ایک جنس کی اسی جنس میں گھٹا بڑھا کر خرید وفروخت حرام قرار پائی، برابر کی تجارت جائز قرار دی۔

سود کی تحریم:

اسی میں سودی کاروبار بھی آتا ہے۔ مکہ، طائف، مدینہ اور خیبر وغیرہ کے تمام مالدار تاجر اور کاشتکار سودی کاروبار کرتے تھے۔ وہ سود پر روپیہ قرض دیتے یا تجارتی سود لیتے تھے۔ ان میں عرب وغیر عرب، مسلمان اور یہودی سبھی ملوث تھے۔ سود کی شرح معمولی بھی تھی اور بھاری بھی۔ وہ سود در سود یا مرکب سود پر مبنی کاروبار کرتے تھے۔ اسلام نے رفتہ رفتہ سود کی تجارت اور سودی کاروبار حرام قرار دیا۔ پہلے مرکب سود یا چند در چند سود لینا حرام قرار پایا، پھر معمولی سود بھی حرام ہوا۔ فتح مکہ کے بعد ہر قسم کا سود ممنوع ہوگیا۔ اور سود لینے کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا۔ (سورۃ بقرۃ: ۲۷۵ تا ۲۷۸، آل عمران: ۱۳۰، نساء: ۱۶۱ اور سورۃ الروم: ۳۹)۔

سودی کاروبار چوں کہ سارے انسانوں کا استحصال کرتا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے علاوہ اسلامی ریاست کے ذمیوں کو بھی سود لینے دینے سے منع کر دیا۔ چنانچہ نجران کے عیسائیوں وغیرہ سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ سودی کاروبار نہ کریں گے۔

صحیح اوزان وناپ:

تجارتی کاروبار میں ترازو صحیح رکھنے اور صحیح وزن کے بانٹ رکھنے ضروری قرار پائے اور کم ناپ تول کو حرام قرار دیا۔ اسی طرح بہت سے زرعی یعنی کھیتی باڑی کے معاملات ناجائز قرار دیئے جن میں کسی ایک فریق کا نقصان تھا۔ مثلاً پھلوں کے درختوں پر آکر مضبوط ہوجانے سے قبل پیداوار کی خرید وفروخت حرام قرار دی۔ مختلف جنس کی چیزوں کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ صحیح بتایا اور ہم جنس چیزوں کا حرام۔

کھانے پینے کی اصلاحات:

سماجی اصلاحات کے سلسلہ میں اسلام نے کھانے پینے کی چیزوں (ماکولات ومشروبات) میں بھی حلال وحرام کا اصول نافذ کیا۔ اسلام سے پہلے ایسا کوئی معیار نہ تھا۔ لوگ جو چاہتے کھاتے تھے۔ اسلامی اصول یہ مقرر کیا کہ پاکیزہ چیزیں (طیبات) حلال اور تمام گندی چیزیں (خبیثات) حرام قرار دیں۔ گوشت میں سوروں، مردار جانوروں، درندوں اور پنجہ دار پرندوں، کیڑے مکوڑوں، سانپ بچھوؤں وغیرہ کو حرام کیا۔ خون اور بتوں کے چڑھاوے کے جانور بھی حرام بتائے۔ صرف حلال اور ذبیحہ جانوروں کا گوشت ہی جائز بتایا۔ مشروبات میں تمام نشہ آور چیزیں جیسے شراب، بھنگ اور افیون وغیرہ حرام قرار دیں۔

دراصل خبیث اور گندی چیزوں کا انسان کے اخلاق وکردار پر اثر پڑتا ہے۔ اور ماکولات ومشروبات میں اسلام نے یہ اصول اپنایا کہ پاک چیزیں حلال رکھی جائیں اور گندی چیزیں حرام کردی جائیں تاکہ انسان میں پاکیزہ صفات پیدا ہوں۔

☆☆

(تاریخ تہذیب اسلامی)

عہد و میثاق کی پاس داری میں آپ ﷺ کا طرز عمل

محمد اسلم مبارک پوری

عہد و میثاق کو پورا کرنا اچھے لوگوں کا شیوہ ہے۔ آپ ﷺ نہایت متقی، اپنے رب سے ڈرنے والے، نیک خو (عادت) تھے۔ آپ ﷺ احسان کرنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے انسان تھے۔ شرافت و نیکی میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا۔ آپ بدعہد نہ تھے اور نہ ہی وعدہ خلافی آپ کی عادت تھی۔ اس کا برملا اعتراف ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں کیا ہے۔

ہرقل نے ابوسفیان سے نبی ﷺ کی بابت پوچھا:

کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟

ابوسفیان نے کہا: نہیں، البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں۔ معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا؟

ہرقل نے کہا: پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ بدعہدی نہیں کرتے۔ [۱]

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی کرتے، لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت اور رحم و مروت سے پیش آتے۔ آپ کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بدخلقی سے سب سے زیادہ دور تھے۔ عہد و میثاق کے سب سے زیادہ پاس دار اور لحاظ کرنے والے تھے۔ اور اسے ایمان کی شاخ قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حسن العهد من الإيمان'' [۲] عہد کی رعایت کرنا ایمان میں سے ہے۔

آپ ﷺ نے بدعہدی کرنے اور عہد و پیمان نہ پورا کرنے پر وعید فرمائی ہے۔

عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''إن الغادر ينصب له لواء يوم القيامة، فيقال: هذه غدرة فلان بن فلان'' [۲]

بدعہدی کرنے والے شخص کے لیے قیامت کے دن ایک پرچم نصب کیا جائے گا، اور کہا جائے گا: یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی ہے۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: ''من غشنا فليس منا'' [۳] یعنی جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

---

[۱] بخاری [۷]

[۲] مستدرک حاکم [۱/۱۶] وقال: صحيح على شرط الشيخين، نیز دیکھیں: امام بخاری کی تبویب بلفظ ''باب حسن العهد من الايمان''، صحیح بخاری [۱۰/۴۴۹] مع شرحہ فتح الباری۔

[۳] بخاری [۳۱۸۸، ۶۱۷۷] مسلم [۴/۱۷۳۶]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''من قتل معاهداً فی غیر کنهه حرم الله علیه الجنة'' [۴] جو کسی معاہد کو بغیر کسی وجہ سے قتل کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

۱- ابتدائے ایام نبوت میں ایک دفعہ نبی ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے (جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے) فرمایا کہ ''بیت اللہ کھول دو'' اس نے انکار کیا۔ اور آپ کے لیے کھولا نہیں تو آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ دیکھ لینا ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی۔ اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا۔ عثمان نے جواب دیا: کیا اس روز قریش کے سب ہی مرد ذلیل و تباہ ہو جائیں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ اور بھی عزت و اقبال سے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اپنے اسی فرمان کی پاسداری کرتے ہوئے فتح مکہ کے دن صنادید قریش کو عام معافی دیتے ہوئے عثمان بن طلحہ کو کلید برداری کا اعزاز بخشا۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جن کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجی تھی) حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ ہمارے لیے حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی جمع فرما دیجئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ گذارش عباس رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہ لو اپنی کنجی۔ الیوم یوم بر و وفاء آج کا دن تو نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔ [۱]

عبدالرحمٰن بن سابط کی مرسل روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کنجی دیتے ہوئے فرمایا:

خذها خالدة مخلدة

اسے ہمیشہ ہمیش کے لیے لے لو۔

اسے میں نہیں دے رہا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ عطا کر رہا ہے۔

ولا ینزعها منکم إلا ظالم

تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہوگا۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

کلوا مما یصل إلیکم من هذا البیت بالمعروف [۲]

اس بیت اللہ سے تمہیں جو ملے اس سے معروف کے ساتھ کھانا۔

یہ تھی نبی ﷺ کی وفاداری کی عمدہ مثال۔ اور درج ذیل میں ملاحظہ کیجئے آپ کے اخلاق فاضلہ اور خصائل حمیدہ کی ایک اور مثال جس میں آپ کی عہد و میثاق کی وفاداری کا ثبوت ہے۔

۲- ذی قعدہ ۶/ ہجری کا واقعہ ہے:

واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں نبی ﷺ اور قریش کے مابین صلح کی جو دفعات طے ہوئیں، ان دفعات کی ایک شق یہ بھی تھی [۳] کہ دس سال تک فریقین لڑائی موقوف (بند) رکھیں گے۔ اس عرصہ میں لوگ مامون رہیں گے۔ کوئی کسی پر ہاتھ نہیں

[۱] مسلم [۱۰۱/۱۶۴] بشرح نووی [۲/۱۰۸] [۲] ابوداؤد [۲۷۶۰] یہ روایت صحیح ہے۔

[۳] سیرت ابن ہشام [۴/۱۰۸۸]، رحمۃ للعالمین [۱/۱۱۴]

اٹھائے گا۔یعنی عہد کی پاس داری کی جائے گی۔اور کسی کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔اگر کوئی قبیلہ حملہ یا زیادتی کا شکار ہوگا، یہ از خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی تصور کی جائے گی۔

اس دفعہ کے تحت بنوخزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں آ گئے۔اور بنوبکر قریش کے عہد و پیمان میں [1] اسی طرح دونوں قبیلے ایک دوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے لیکن ابھی صلح کے دو برس بھی نہیں گذرے تھے کہ دونوں قبیلوں میں دور جاہلیت سے چلی آ رہی کشاکشی کی وجہ سے، اس صلح کو موقع غنیمت سمجھتے ہوئے بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔اس وقت بنو خزاعہ مکہ کے قریب وَتِیر نامی چشمہ پر خیمہ زن تھے۔حملہ میں ان کے متعدد افراد مارے گئے۔ادھر قریش نے جس میں عکرمہ بن ابوجہل، سہیل بن عمرو، اور صفوان بن امیہ وغیرہ تھے، اس حملہ میں ہتھیاروں اور افراد سے بنوبکر کی مدد کی۔ بلکہ ان کے کچھ آدمی رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر لڑائی میں شریک ہوئے۔اور عہد و پیمان کو توڑ دیا اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ بہر حال حملہ آوروں نے بنوخزاعہ کو کھدیڑ کر حرم تک پہنچا دیا۔حرم پہنچ کر بنوبکر نے کہا: اب ہم حرم میں داخل ہو گئے۔اور یہ مظلوم إلٰهك، إلٰهك تمہارا معبود، تمہارا کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تھے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے: لا إله اليوم آج کوئی إلٰه نہیں۔

ادھر بنوخزاعہ نے نبی ﷺ سے مدد چاہی۔عمرو بن سالم خزاعی وہاں سے نکل کر فوراً مدینہ کا رخ کیا۔اور آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر پر درد نظم میں تمام واقعات گوش گزار کیے۔

إن قريشا أخلفوك الموعدا ونقضوا ميثاقك المؤكدا
و جعلوا لي في كداء رصدا و زعموا ان لست أدعوا أحدا
وهم أذل و أقل عددا هم بيوتنا بالوتير هجدا
و قتلونا ركعا و سجدا

یقیناً قریش نے آپ کے عہد کی خلاف ورزی کی ہے۔اور آپ کا پختہ پیمان توڑ دیا ہے۔انھوں نے میرے لیے کداء میں گھات لگائی اور یہ سمجھا کہ میں کسی کو مدد کے لیے نہ پکاروں گا۔حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔انہوں نے مقام وتیر پر رات میں حملہ کیا۔اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔

اس نظم کو سننے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا:

نصرت يا عمرو بن سالم

اے عمرو بن سالم تیری مدد کی گئی۔

اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] اسے ابن عائذ نے مرسلاً روایت کیا ہے۔اس موضوع کی اور بھی مرسل روایات ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔دیکھیں: فتح الباری [۷/۶۱۲] اور اکرم ضیاء عمری کی سیرت نبویہ صحیحہ [۲/۴۸۳]

إن هذه السحابة لتستهل بنصر بنی کعب [۱]

یہ بادل بنوکعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

معاہدے کی پابندی، فریق مظلوم کی دادرسی، اور حلیف قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے نبی ﷺ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔قریش کی یہی بدعہدی فتح مکہ کا باعث بنی۔

یادرہے صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا پیش خیمہ اور تمہید تھی۔اس کی وجہ سے امن وامان کا دور دورہ ہوگیا تھا۔لوگ کھل کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔اسلام کے متعلق تبادلہ خیال اور بحثیں ہوتی تھیں۔مکہ کے لوگ جو در پردہ مسلمان تھے، انہیں بھی اس صلح کے بعد اپنے دین کے اظہار وتبلیغ اور اس پر بحث ومناظرہ کا موقع ملا۔ان حالات کے نتیجہ میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔یہاں تک کہ اسلامی لشکر کی جو تعداد گزشتہ کسی غزوہ میں تین ہزار سے زیادہ نہ ہوسکی تھی اس غزوۂ فتح میں دس ہزار تک جا پہنچی۔

اس فیصلہ کن غزوہ نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔اوران پر پڑا ہوا وہ آخری پردہ ہٹادیا جو قبول اسلام کی راہ میں روک بنا ہوا تھا۔اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے سیاسی ودینی افق پر مسلمانوں کا سورج چمک رہا تھا۔اوراب دینی سربراہی اور دنیوی قیادت کی زمام ان کے ہاتھ آچکی تھی۔ [۲]

آپ ﷺ نے فتح مکہ کی تیاری نہات ہی کمال اخفاء اور رازداری سے کی۔جیسا کہ طبرانی کی روایت [۳] سے معلوم ہوتا ہے، حتی کہ اس تیاری کی خبر رفیق غار خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی نہ تھی۔مگر جب عمر بن سالم خزاعی چالیس سواروں کو لے کر دربار نبوت میں پہنچا اور مذکوہ اشعار کہا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ عہد شکنی کی گئی ہے۔اور لوگوں کو حالات کا ٹھیک ٹھیک علم ہوا۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تیاری کا حکم دیا اور یہ دعا فرمائی کہ: اے اللہ! جاسوسوں اور خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر اچانک جا پہنچیں۔ [۴]

اِدھر نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ نہایت رازدارانہ تیاری میں مصروف تھے کہ اُدھر حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر اس اہم معاملہ کی اطلاع بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔یہ رقعہ ایک عورت (جس کا نام سارہ تھا) کے ذریعہ اہل مکہ کو پہنچانا تھا، اور پہنچانے پر معاوضہ بھی مقرر تھا۔یہ عورت اپنے سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر روانہ ہوئی۔لیکن رسول اللہ ﷺ کو بروقت آسمان سے حاطب کی اس حرکت کی خبر دے دی گئی۔چنانچہ آپ ﷺ نے علی بن ابی طالب، مقداد بن اسود، زبیر اور ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہم کو یہ کہہ کر بھیجا کر جاؤ روضہ خاخ پہنچو۔وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی، جس کے پاس قریش کے نام ایک رقعہ ہوگا۔یہ حضرات گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہوئے۔وہاں پہونچے تو عورت موجود تھی۔اس سے کہا کہ وہ نیچے اترے، اور پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی خط ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں۔

---

[۱] ابوداؤد [۲۷۶۶] باسناد حسن۔ [۲] سیرت ابن ہشام [۴/۱۰۶۶] باسناد حسن۔

[۳] سیرت ابن ہشام [۴/۱۰۷۱] بیہقی دلائل النبوۃ [۵/۷] بأسانید صحیحۃ۔فتح الباری [۷/۵۹۳]

[۴] الرحیق المختوم [ص:۶۴۳]

انھوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی لیکن کچھ نہ ملا۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا ہے اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ تم یا تو خط نکالو یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔ جب اس نے یہ پختگی دیکھی تو بولی: اچھا منہ پھیرو۔ انھوں نے منہ پھیرا تو اس نے چوٹی کھول کر خط نکالا۔ اور ان کے حوالے کر دیا۔ یہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے دیکھا تو اس میں تحریر تھا:

حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب، پھر اس کے بعد قریش کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر تھی، نبی ﷺ نے حضرت حاطب کو بلا کر پوچھا کہ حاطب! یہ کیا ہے؟

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے خلاف جلدی نہ کریں، اللہ کی قسم، اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں البتہ ان سے چپکا ہوا ایک فرد تھا۔ اور میرے اہل وعیال اور بال بچے وہیں ہیں۔ لیکن قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ میرے بچوں کی حفاظت کریں۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، وہاں ان کے قرابت دار ہیں جو ان کی حفاظت کریں گے۔ اس لیے مجھے جب یہ چیز حاصل نہ تھی تو میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان کر دوں، جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں۔ اس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے چھوڑیے میں اس کی گردن مار دوں۔ کیوں کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے اور یہ منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إنه قد شهد بدرا" یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے۔ " وما يدريك لعل الله اطلع على من شهد بدرا، قال: "اعملوا ما شئتم قد غفرت لكم" اور عمر، تمہیں کیا پتہ؟ ہوسکتا ہے، اللہ نے اہل بدر پر نمودار ہو کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، اور کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة وقد كفروا بما جاء كم من الحق يخرجون الرسول وإياكم أن تومنوا بالله ربكم إن كنتم خرجتم جهادا فى سبيلى وابتغاء مرضاتي تسرون إليهم بالمودة، و أنا أعلم بما أخفيتم وما أعلنتم ومن يفعله منكم فقد ضل سواء السبيل﴾ [الممتحنۃ:۱]

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو، اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے، کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہوں (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو۔ اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا، اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً اس راہ سے بہک جائے گا۔

۳- عبداللہ بن ابی الحمساء ایک بزرگ صحابی ہیں، جو مکہ میں رہتے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

[1] طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد [۶/۱۶۷]

سے نبوت ملنے سے پہلے خرید وفروخت کا معاملہ کیا۔ اور میرے ذمے لین دین کی کچھ ادائیگی باقی رہ گئی تو میں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ آ کر کے میں اس کی ادائیگی کر دوں گا۔ اتفاق ایسا کہ میں یہ وعدہ بھول گیا۔ پھر مجھے تین دن بعد یاد آیا تو میں بھاگا دوڑا اپنے موعد (وعدہ کی جگہ) پر آیا تو میں حیران وششدر ہو گیا۔ دیکھا کہ آپ ﷺ اس جگہ پر میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''یافتی، لقد شققت عليّ، أنا هاهنا منذ ثلاث انتظرك'' [1]

اے نوجوان! تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا ہے، میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

یہ ہے نبی ﷺ کا اخلاق، اور عہد و پیمان کی وفاداری۔ آپ ﷺ تہذیب و شائستگی، نرمی اور شفقت، امانت اور صداقت، حلم وکرم اور دیگر اخلاقی خوبیوں میں ممتاز اور منفرد تھے۔ اور اخلاق کے ایسے بلند مقام پر تھے، جہاں کوئی فرد آپ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ جب ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کی بابت سوا کیا گیا تو فرمایا: ''كان خلقه القرآن'' [2] آپ کا اخلاق صرف قرآن ہی تھا۔

سنت نبویہ مطہرہ جو ایک تجدد پذیر عطیہ اور تا قیامت باقی رہنے والا توشہ ہے، مسلمانوں کے سامنے وہ عملی نمونہ ہے، جس کے سانچے میں مسلمانوں کو اپنی رفتار و گفتار اور کردار و اطوار ڈھالنا چاہئے، ان کے کنبہ وقبیلہ، برادران واخوان اور افراد امت کا ربط اس کے عین مطابق ہونا چاہئے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة، لمن كان يرجوالله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا﴾ [الأحزاب: ۲۱] یقیناً تمہارے ہر اس شخص کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین اسوہ ہے، جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو، اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔

آپ ﷺ کے تمام اقوال وافعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ کی اقتدا ضروری ہے، چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے یا سیاست سے، ہر شعبۂ حیات میں آپ ﷺ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔ یہی ﴿وما آتكم الرسول فخذوه ومانهكم عنه فانتهوا﴾ [الحشر: ۷] اس آیت کا مفاد ہے۔

لہذا جو شخص دنیا و آخرت کے جملہ معاملات میں ربانی شاہراہ پر چل کر اس دنیا سے نجات چاہتا ہو، اسکے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ رسول اعظم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرے۔ اور خوب اچھی طرح سمجھ بوجھ کر اس یقین کے ساتھ نبی ﷺ کی سیرت کو اپنائے کہ یہی پروردگار عالم کا سیدھا راستہ ہے۔ جس پر ہمارے آقا اور پیشوا رسول اللہ ﷺ عملاً، قولا اور واقعۃً تمام شعبہ ہائے زندگی میں گامزن تھے۔ لہذا اس میں قائدین و متبعین، حکام ومحکومین، رہبران ومرشدین، مجاہدین اور زعماء وعلماء کی رشد وہدایت ہے۔ اور اسی میں سیاست وحکومت، سیادت و قیادت، دولت و اقتصاد، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الأ قوامی روابط کے جملہ میدانوں کے لیے اسوہ ونمونہ ہے۔

☆☆☆

---

[1] ابن ہشام [۴/۱۰۷۵] مجمع الزوائد [۶/۱۶۶-۱۶۷]

[2] بخاری [۴۲۷۴، ۴۸۹۰] مسلم [۱۶۱/۲۴۹۴] بشرح نووی [۱۶/۵۴-۵۷]

ضیائے سنت نبوی

از فائق بندوی/ جامعہ سلفیہ، بنارس

سماں ہے جامعہ سلفیہ میں تعلیم و دعوت کا
جہاں پہ ہورہا ہے، عالمی اجلاس سنت کا
پیام امن عالم ہے، یہاں دین و شریعت کا
یہاں قرآن کی تفسیر کی جلوہ نمائی ہے
ضیائے سنت نبوی، دلوں میں جگمگائی ہے

سجی ہے جامعہ میں بزم سنت کی بہاروں کی
مچی ہے دھوم سلفیت کے سنجیدہ ستاروں کی
قلم کے تاجداروں کی، سخن کے شہسواروں کی
سلف کی کاوش و جہدمسلسل رنگ لائی ہے
ضیائے سنت نبوی، دلوں میں جگمگائی ہے

نبی کی اتباع میں آج پھر سے تازہ دم ہیں ہم
بتوں کے شہر کاشی میں لیے شمع حرم ہیں ہم
اٹھائے ہاتھوں میں امن و اماں کا اب علم ہیں ہم
لبوں پر کلمۂ توحید کی نغمہ سرائی ہے
ضیائے سنت نبوی، دلوں میں جگمگائی ہے

اٹھا ہے آج پھر پُر عزم سلفی کارواں اپنا
جنہوں نے چھوڑا ہے عالم میں نقش جاوداں اپنا
معطر جن کے فکروفن سے ہے ہندوستان اپنا
نسیم صبح مکّہ سے یہاں تشریف لائی ہے
ضیائے سنت نبوی، دلوں میں جگمگائی ہے

ضیافت کے لیے اہل بنارس لو لگائے ہیں
فرشتے جن کی راہوں میں قدم بچھائے ہیں
حرم کے وہ امام محترم تشریف لائے ہیں
کہ جن کے آنے سے ہر شئی یہاں کی مسکرائی ہے
ضیائے سنت نبوی، دلوں میں جگمگائی ہے

یہاں تدریس ہوتی ہے عقیدے میں مہارت کی
حدیث سیدالابرار کے فن کی حفاظت کی
علوم فکر و دانش کی، وطن میں سالمیت کی
شریعت کے اصولوں کی یہاں بس دھن سمائی ہے
ضیائے سنت نبوی، دلوں میں جگمگائی ہے

مئے توحید خالص کے یہاں چشمے ابلتے ہیں
سدا قرآن و سنت کے صحیح مسلک پہ چلتے ہیں
تو پھر ہم امن اور توحید کے سانچے میں ڈھلتے ہیں
بہ فضلِ رب یہ فائق کے قلم کی روشنائی ہے
ضیائے سنت نبوی، دلوں میں جگمگائی ہے

اخبار جامعہ

عالمی کانفرنس کی تیاریوں کا جائزہ لینے کے لیے ایک اہم میٹنگ:

جامعہ سلفیہ بنارس میں ''سنت نبوی اور امن عالم'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی، عظیم الشان کانفرنس کے انتظامات کا جائزہ نیز بعض ذمہ داریوں کی تقسیم کے لیے ایک اہم میٹنگ بروز جمعرات صبح 10:30 بجے جامعہ کے سیمینار ہال میں صدر جامعہ سلفیہ مولانا شاہد جنید صاحب سلفی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ میں مجلس منتظمہ کے اراکین وعہدیداران، اساتذہ جامعہ اور شہر کے دیگر مخلصین ومعاونین نے شرکت فرمائی۔

تلاوت قرآن کریم کے بعد محترم ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی نے کانفرنس سے متعلق ضروری معلومات، بعض طے شدہ امور اور اب تک کی تیاریوں سے حاضرین کو مطلع فرمایا، اس کے بعد ملک، بیرون ملک سے آنے والے مہمانان کے قیام و طعام، شہر کے اہم تعلیمی اداروں اور مختلف مذاہب کے نمائندگان کو دعوت، میڈیا کوریج کے لیے میڈیا کے افراد سے رابطہ نیز صفائی کا معقول انتظام اور اس کے لیے متعلقہ سرکاری ادارہ سے تعاون حاصل کرنا جیسے امور زیر بحث آئے۔

عرب مہمانان خصوصا امام حرم مکی ڈاکٹر فیصل غزاوی حفظہ اللہ وتولاہ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تشریف لانے والا باوقار وفد کے قیام کے لیے ایک پانچ ستارہ ہوٹل منتخب کیا گیا نیز بعض دیگر اہم مہمانوں کے لیے دو اور ہوٹلوں میں چند کمرے بک کرائے گئے، محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے حاضرین کو یہ بھی بتلایا کہ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں بعض مرکزی و ریاستی حکومت کے وزراء وغیرہ نے بھی اپنی شرکت کی منظوری دی ہے۔ میٹنگ کے اخیر میں صدر جامعہ نے تمام حاضرین سے اس کانفرنس کی کامیابی کے لیے پرجوش تعاون کی اپیل کی۔

چھٹی کے بعد تعلیم کا آغاز: ششماہی امتحان اور اس کے بعد کی چھٹی کے بعد مورخہ ۲۳/فروری ۲۰۱۳ء بروز سنیچر جامعہ میں دوبارہ تعلیم کا آغاز کر دیا گیا، اساتذۂ کرام اور اکثر طلباء وقت مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے تعلیمی سرگرمی میں مصروف ہو گئے۔

اوقات تعلیم میں تبدیلی: موسم گرما کی آمد کے پیش نظر جامعہ سلفیہ میں تعلیم کے اوقات تبدیل کر دیئے گئے اور مارچ ۲۰۱۳ء بروز سنیچر تا ۳۱/ مارچ ۲۰۱۳ء بروز اتوار تک تعلیم صبح 7:15 بجے شروع ہو کر 12:45 پر ختم ہوگی، انشاء اللہ۔ درمیان میں 9:15 سے 9:40 تک ناشتہ کا وقفہ رہے گا۔

تقریری انجمن اختتام پذیر: عربی درجات کے طلباء کی تقریری مشن کے لیے ندوۃ الطلبہ اور حفلۃ الخطابہ کے زیر اہتمام ہر جمعرات کو منعقد ہونے والی انجمنیں اپنے اختتام کو پہنچیں۔ افتتاحی انجمنیں کے علاوہ پورے سال میں ۱۶/ انجمن منعقد کی گئیں۔ اب سالانہ انعامی انجمنوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: (۱) عورتیں عیدین کی نماز مردوں سے الگ ہوکر گھر میں یا مسجد میں ادا کرسکتی ہیں؟

(۲) عیدین میں منبر لے جانا اور دو خطبہ دینا درست ہے؟

الجواب بعون الوهاب وهو الموفق للصواب:

(۱) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ عورتوں کا ان ہی میں سے کسی ایک کی امامت وخطبہ میں عید کی نماز مسجد میں ادا کرنا خلاف سنت وخلاف تعامل صحابہ کرام ہے، سنت رسول ﷺ اور فرمان نبی یہ ہے کہ عورتیں عیدین کی نمازیں ادا کرنے کے لیے عیدگاہ میں جائیں اور مردوں کی معیت وامامت میں عید کی نماز ادا کریں، الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔

عن أم عطية قالت: أمرنا رسول الله ﷺ، أن نخرجهن في الفطر والأضحى، العواتق والحُيّض وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين، قلت: يا رسول الله! إحدانا لا يكون لها جلباب قال: "لتلبسها أختها من جلبابها".

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم عورتوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں عیدگاہ لے جائیں، جوان لڑکیوں، حیض والی عورتوں اور پردہ نشین خواتین کو بھی، ہاں حیض والی عورتیں نماز سے الگ رہیں، لیکن وہ مسلمانوں کی دعا اور تکبیر میں شریک ہوں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی کے پاس ایک جلباب نہ ہو تو وہ کیا کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی بہنیں اس کو اپنی چادر اڑھا دیں۔ (صحیح مسلم، کتاب العیدین، باب ذکر إباحۃ خروج النساء فی العیدین الی المصلی، ح:۲۰۵۶)

یہ حدیث باصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو عید کی نماز عیدگاہ ہی میں ادا کرنا چاہئے اور یہی سنت رسول ہے، علامہ ابن قدامہ ؒ اس حدیث کے خلاف اقوال نقل کرنے کے بعد بایں الفاظ تبصرہ فرماتے ہیں: "وسنة رسول الله ﷺ أحق أن يتبع" (المغنی: ۲۶۵/۳) سنت رسول ہی اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسی وجہ سے ہم صحابہ کرام ؓ کو دیکھتے ہیں کہ ان کا تعامل اسی پر رہا، اور صحابہ کرام اسی پر گامزن رہے۔

اس فرمان رسول ﷺ کے بالمقابل جو آثار منقول ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور احادیث صحیحہ ومرفوعہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال واحتجاج ہیں، آثار کی تحقیق وتفصیل کے لیے مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۶/۳، ۴۸، السنن الکبری للبیہقی: ۸۹/۵، ۹۷، السنۃ الکبری فی شرح السنن الکبری: ۲۰۰/۲، اور ارواء الغلیل ۱۲۰/۲ ملاحظہ فرمائیں۔

جو لوگ نماز عید کو پنجگانہ نماز پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب فرض نماز عورتیں مسجد میں یا کہیں باجماعت ادا کرسکتی ہیں تو نماز عید کیوں نہیں ادا کرسکتی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے، نماز عید عیدگاہ میں ادا کرنے کی جو تاکید ہے وہ تاکید پنجگانہ نماز مسجد میں ادا کرنے کی عورتوں کو نہیں ہے، بلکہ پنجگانہ نماز گھر میں ادا کرنا عورتوں کے لیے بہتر قرار دیا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ قیاس صحیح ومرفوع روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل التفات نہیں ہے۔

البتہ جو لوگ بہت کمزور اور مجبور ہیں عیدگاہ جانے کی سکت وقوت نہیں رکھتے وہ حضرات مسجد میں یا جہاں بھی آسانی ہو عید کی نماز ادا کرلیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عید کو سب کے لیے مشروع قرار دیا ہے۔

تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مرد اپنے گھر کی عورتوں کو پردہ کا معقول انتظام کرکے عیدگاہ میں لے جائیں، خواہ عورتیں جوان

ہوں یا بوڑھی یا ادھیڑ، کنواری ہوں یا بیاہی، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے بغیر کسی زمانہ اور وقت کی تخصیص کے عورتوں کو عیدگاہ میں لے جانے کی تاکید فرمائی ہے۔

ہاں جو لوگ بیمار، کمزور اور عیدگاہ نہ جانے پر مجبور ہیں وہ کسی جگہ یا مسجد میں عید کی نماز پڑھ لیں تو ان شاء اللہ نماز ہو جائے گی، لیکن مجبوری ایسی ہو جس کو مجبوری کہا جائے۔

(۲) عید کے موقع پر عیدگاہ میں منبر لے جانا آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کا معمول نہیں تھا، اور ہماری بھلائی سنت کی پیروی کرنے میں ہے، بلکہ مسند احمد (۳/۴۹، ۲۵) اور ابو داود (ح ۱۱۴۰) میں مروی حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتداء خلیفہ مروان نے کیا تھا، اس پر صحابہ کرام کا اعتراض بھی تھا، حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: "عن أبي سعيد الخدري ؓ، قال: أخرج مروان المنبر يوم عيد، فبدأ بالخطبة قبل الصلاة، فقال رجل (قيل هو عمار بن رويبة، ويحتمل أن يكون هو أبا مسعود) فقال: يا مروان! خالفت السنة، أخرجت المنبر في يوم عيد، ولم يكن يخرج فيه وبدأت بالخطبة قبل الصلاة ..الخ" یعنی کہ مروان نے عید کے دن منبر نکالا اور نماز سے پہلے اس پر خطبہ شروع کیا اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ اے مروان تم نے سنت کی مخالفت کی....الخ۔ سنت کی مخالفت کا معنی یہ ہے کہ عہد نبوی میں عید کے دن منبر نہیں نکالا جاتا تھا، تم نے منبر نکلوا کر آنحضور ﷺ کی مخالفت کی۔ اسی معنی کی حدیث صحیح بخاری کتاب العیدین، باب الخروج الی المصلی بغیر منبر ح:۹۵۶ میں بھی موجود ہے۔

شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارک پوری ؒ اپنی مایہ ناز تصنیف مرعاۃ المفاتیح میں رقمطراز ہیں کہ منبر نکالنے کی مخالفت جب شدت اختیار کر گئی تو مروان نے مٹی اور اینٹ وغیرہ سے منبر بنانے کا حکم دیا۔ (مرعاۃ ج ۲ ص ۳۴۸ قدیم طبع)

اوپر کی تمام تفصیلی تشریحات سے معلوم ہوا کہ منبر لے جانا یا اینٹ، مٹی وغیرہ سے منبر بنانا یہ بہت بعد کی چیز ہے، اس کے خلاف سنت ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ نے سخت اور شدید اعتراضات کئے، اس لیے ایسا کرنا خلاف سنت ہے، اور خلاف سنت کام دین نہیں بن سکتا، بلکہ اس طرح کے کام کو بدعت کہتے ہیں، اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔

عیدین میں صرف ایک خطبہ ہے کیونکہ خطبۂ عیدین کے سلسلہ میں امام بخاری و امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے کہ: "وسئل ابن عباس ؓ: أشهدت مع رسول الله ﷺ العيد ؟ قال: نعم، خرج رسول الله ﷺ فصلى ثم خطب" (متفق علیہ) "ثم خطب" کے تحت شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارک پوری ؒ لکھتے ہیں: "وفيه دليل على مشروعية خطبة العيد، وليس فيه انها خطبتان كالجمعة، وأنه يقعد بينهما، لم يثبت ذلك من فعله ﷺ بسند معتبر" (مرعاۃ المفاتیح: ۵/۲۷) یعنی کوئی ایسی معتبر روایت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اکرم ﷺ نے عیدین میں خطبۂ جمعہ کی طرح دو خطبہ دیا ہو، البتہ بعض ایسی ضعیف روایتیں ملتی ہیں جن سے دو خطبہ کا ثبوت ملتا ہے، لیکن یہ روایتیں لائق عمل نہیں ہیں، کیونکہ "قد جمعوا على ضعفه" اس طرح کی روایتوں کے ضعف ہونے پر تمام لوگوں کا اجماع ہے۔ اس لیے خطبۂ جمعہ پر نہ قیاس کرتے ہوئے اور ضعیف روایتوں پر عمل نہ کرتے ہوئے صرف ایک ہی خطبہ پر عمل سنت کے موافق ہے۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو سنت کے مطابق عمل کی توفیق دے، آمین۔

الجواب صحیح
علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس